صبحِ صفا

از نور پاک قرآں صبح صفا دمیدہ

مضامینِ متفرقہ

(نسیم سیفی)

مرتبہ : انور اقبال سیفی
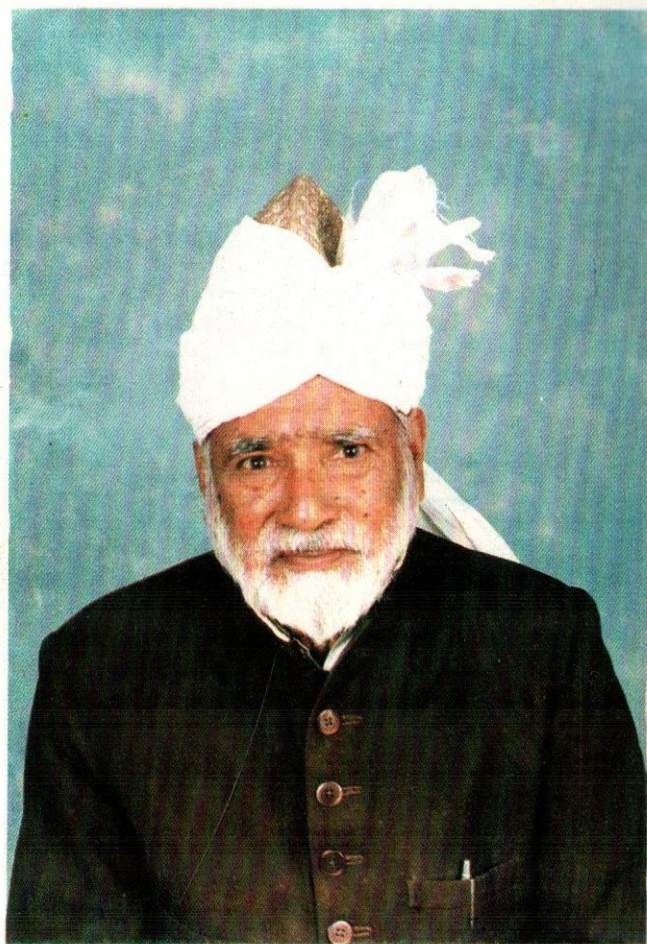
صبح صفا

از نور پاک قرآں صبح صفا دمیدہ

نسیم سیفی

انتساب

ہر اس قلمکار کے نام جو احمدیت کی صداقت
کے اظہار کو مطمحِ نظر بنا کر اپنے قلم کو جنبش دیتا ہے،

—— نسیم سیفی

فہرست

Printer: **Ahmadiyya Printing Press, Lagos**
Publisher: Ahmadiyya Mission,
45 Idunmagbo Avenue,
Lagos, Nigeria

ریویو آف ریلیجنز جنوری ۱۹۴۵ء
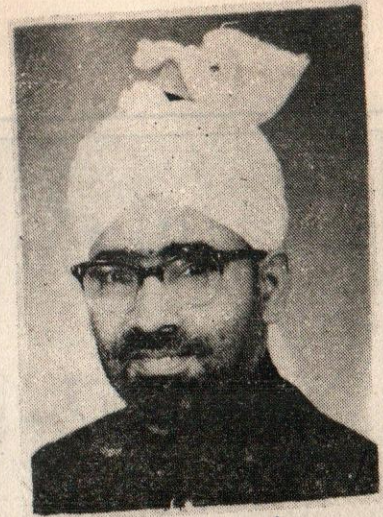
حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی مقام کا اظہار

(صرف)

احمدیت کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا ؛ نام اس کا ہے محمّد دلبر مرا یہی ہے!
(حضرت مسیح موعود)

(از نور محمّد صاحب نسیم سیفی۔ واقفِ زندگی)

خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے شعبۂ تعلیم کے ماتحت انصار سلطان القلم کے تحریری مقابلوں کا ایک سلسلہ اس سال ۱۹۴۴ء سے جاری ہے۔ یہ مضمون تیسرے مقابلے میں اوّل قرار دیا گیا ہے۔ امید ہے کہ احباب کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔
(ایڈیٹر)

انسانی پیدائش اور اسکی غرض وغایت

انسان کہاں سے آیا؟ وہ کہاں جا رہا ہے؟ اس کا آغاز کیا ہے؟ اس کا انجام کیا ہوگا؟ وہ اس دنیا میں کیونکر لایا گیا؟ اور اب جبکہ وہ انجانے طریق پر اس دنیا میں آگیا ہے تو اسے اِس دُنیا میں کیونکر زندگی بسر کرنی چاہیئے؟ یہ ہیں وہ سوالات جو ذہن انسانی میں اس وقت سے چکر لگا رہے ہیں جب سے کہ اس نے اپنی شخصیت اور اپنے ہر لمحہ و ہر لحظہ بدلتے ہوئے ماحول کو محسوس کرنا شروع کیا ہے۔

کسی نے کہا رُوح اور مادہ ازلی ابدی ہیں، کسی بیرونی طاقت نے جس کا نام خدا یا پرماتما رکھا جا سکتا ہے ان دونوں کو ایسے طریق پر ملایا کہ انسانی پیکر وجود میں آیا۔ کسی نے کہا یہ تھیوری غلط ہے، درحقیقت انسان ابتدائی حالت میں سبزیوں کی طرح اگا تھا اور بعد ازاں ارتقاء کے مختلف ادوار

میں سے گذرتے ہوئے اس نے موجودہ صورت اختیار کرلی ہے۔ کسی نے کہا یہ بھی غلط ہے درحقیقت انسان کو حیوان کی صورت میں پیدا کیا گیا تھا، حیوان سے ترقی کرتے کرتے اس نے انسان کی شکل اختیار کرلی ہے۔

انسانی پیدائش کی یہ مختلف تھیوریاں پیش کرنے کے بعد اس پیدائش کی غرض وغایت پر چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔ ایک طرف سے صدا بلند ہوئی کہ یہ ایک فریب ہے محض فریب۔ ہم فریب میں مبتلا ہو کر اس دنیا میں لائے گئے ہیں، اس سے چھٹکارا حاصل کرنا ہمارا فرض ہے۔ چنانچہ خودکشی کو قابلِ تعریف قرار دیا گیا۔ یہ لوگ یورپ کے فلاسفر ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہاں ہر روز ایک سو پانچ لوگ خودکشی کے مرتکب ہوتے ہیں (جنگ سے پہلے کی بات ہے) کسی نے کہا ہمارے آغاز کا تعلق ہمارے پیدا ہونے سے ہے اور ہمارا آخری انجام ہماری موت ہے۔ پس آؤ ہم رنگ رلیاں منائیں اور اس دنیا میں اپنی زندگی کے چند مستعار لمحوں میں عیش و عشرت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں۔

غرض جتنے مُنہ اُتنی باتیں۔ لیکن یہ تمام خیالات کسی حالت میں بھی انسان کی تسکین کا باعث نہ بن سکے۔ یہ کہ اس کی زندگی کا آغاز و انجام محض اس دنیا سے تعلق رکھتا ہے۔ ان پریشانیوں میں اور بھی اضافہ کرنے کا موجب ہو گیا۔ "وہ سبزیوں کی طرح اُگا ہے۔" اس نے سوچا کہ اگر فی الحقیقت ایسا ہی ہے، تو کاش اس کا احساس مٹ جائے۔ اس کی قوت ادراک اس سے چھن جائے تا وہ اپنی اس ذلت کو محسوس نہ کر سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ نہ قوت ادراک سے ہاتھ دھو بیٹھنے کی ضرورت ہے۔ اور نہ اپنے احساسات کو کچل دینے کی ضرورت ہے تو صرف اس بات کی کہ انسان اپنے ضعیف الخلقت دماغ سے تھیوریاں پیدا کرنے کی بجائے اپنے منبع کی طرف لوٹے اور اپنی عقل و خرد کی تمام تر کھوٹی پونجی کو الہام کے چشمے پر نچھاور کرتا ہوا اس بات پر یقین لائے جو اللہ تعالےٰ نے الہاماً انبیاء کو بتائی ہے۔

چونکہ انسانی پیدائش کی تھیوری سے زیادہ انسانی پیدائش کی غرض وغایت پر غور کرنے کی ضرورت ہے اور یہی ایسا امر ہے جس کے ساتھ ہمارا مستقبل وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں انسانی پیدائش کے متعلق انسان کو اجمالی علم دیا ہے وہاں اس کی غرض وغایت کے متعلق نہایت وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ"

کہ میں نے جن و انس کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس پر تفصیلی بحث کے لئے بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے لیکن اجمالاً اتنا کہہ دینا کافی ہوگا کہ انسان کی زندگی کا مقصد اور منتہائے نظر اللہ تعالیٰ کی عبادت ہونا چاہیئے۔ سطحی نظر لوگ فوراً پکار اٹھیں گے کہ آخر اس عبادت کا مقصد کیا ہے۔ کیا ہم محض بے فائدہ ساری عمر ڈرتے اور کانپتے ہوئے اپنی ناکیں رگڑتے رہیں۔ لیکن نہیں! اللہ تعالیٰ جس نے کہ انسان کو پیدا کیا ہے انسانی فطرت کو خوب سمجھتا ہے، وہ جانتا تھا کہ "اِلّا لیعبدون" سُن کر بعض طبائع اس کے نتیجہ سے باخبر ہونے کے لئے بیتاب ہو جائیں گی ان کے لئے یہ کافی نہ ہوگا ———— کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بذاتِ خود ایک ایسا فعل ہے جو انسانی زندگی کا ثمرہ کہلانے کا مستحق ہے۔ وہ اس بات سے مطمئن نہ ہوں گے کہ انہوں نے اپنے پیدا کرنے کے احسانات کو یاد کیا، اور اس کا شکریہ ادا کیا، بلکہ وہ جانیں گے کہ اس شکریہ کی ادائیگی میں انہیں کچھ اور بھی ملنا چاہیئے۔ پس ایسی ہی طبائع کے لئے دوسری جگہ فرمایا ہے:-

کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق (حدیث قدسی)

کہ اللہ تعالیٰ ایک مخفی خزانہ تھا۔ اس نے چاہا کہ وہ جانا جائے۔ پس اُس نے انسان کو پیدا کیا۔ اس آیت اور حدیث کی مطابقت سے پتہ چلتا ہے کہ انسانی زندگی کا مقصد "الا لیعبدون" ہے۔ اور اس مقصد کو پورا کرنے کے بعد ایک اور چیز جو اسے

حاصل ہوتی ہے، وہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات۔ ہر وہ شخص جو اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو جائے گا اسے یہ انعام دیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ جو انسان کا منبع ہے وہ اس سے واصل ہو جائے گا۔

لیکن یہ بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر پیدائش اور اس کی غرض وغایت کے متعلق انسانی ذہن کی تمام تصویریاں غلط ہیں تو نہ صرف اس بات کا امکان ہے، بلکہ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ منزل کا پتہ مل جانے کے بعد اور اپنے مقصود کا علم ہو جانے کے بعد اسے حاصل کرنے کے لئے اگر وہ اپنے ذہن سے تراشے ہوئے رستے پر گامزن ہوگا تو اس منزل پر نہ پہنچ سکے گا۔ اس کی نظر کوتاہ ہے، راستہ تاریک اور خوفناک ہے، دائیں اور بائیں خاردار جھاڑیاں ہیں کہ ان سے الجھ کر وہ ایک قدم بھی اٹھانے کے قابل نہیں۔ ہر قدم اسیرِ گراں ہے اور ہر لمحہ ایک پہاڑ ــــ لیکن وہ خدا جو رحمٰن و رحیم ہے، جو علیم و حکیم ہے۔ اُس نے اِس تذبذب کو دُور کرنے کے لئے انبیاء کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے۔ چنانچہ جب کبھی انسان صحیح راستہ سے ہٹ کر زندگی کے بھیانک جنگلات میں حیران و سرگرداں پھرنے لگتا ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے اور اپنے بندوں کو یوں بھٹکتے نہیں دیکھنا چاہتا۔ پس ان حالات میں ایک نبی کو مبعوث کرتا ہے جو اس سے ہر نیک و بد کی خبر پاکر انسانوں کو صحیح راستے سے مطلع کرتا ہے۔ اور خدا کو بھول جانے والوں کو خدا کی یاد دلا کر اُن کے دل میں ایک ایسی تڑپ پیدا کرتا ہے جو انہیں پھر آستانۂ الٰہی پر جھکنے کے لئے بے قرار کر دیتی ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور حضورؐ کا صحیح مقام

ایسی ہی حالت میں جبکہ دُنیا تاریکی کے گڑھے میں گر چکی تھی، اور نہ صرف انسان نے اپنے خدا کو بھُلا دیا تھا، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اپنی حقیقت سے بھی بہت دُور جا پڑا تھا۔ ورنہ اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود بُتوں کے آگے سر نہ جُھکاتا، چاند اور سُورج کی پرستش نہ کرتا، درختوں، سانپوں اور دریاؤں وغیرہ کو اپنا معبود نہ بنا لیتا۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور اس نے ایک بے یار و مددگار یتیم کو دنیا کی ہدایت کیلئے چنا۔ وہ یتیم بے سروسامان تھا۔ اپنے کوتاہ دامن میں دنیا کی دولت نہ رکھتا تھا۔ لیکن اللہ تعالےٰ اس چناؤ کے لئے کبھی دولت کا خیال نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے اس یتیم کو (فداہ ابی وامی) دنیا کے لئے ہادی و رہنما بنایا۔ یہ یتیم تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور ایسا نوازا کہ نہ ابتدائے آفرینش سے اس وقت تک کوئی فرد بشر اس مقام کو حاصل کر سکا، نہ قیامت تک کوئی ماں ایسا بیٹا جنے گی جو اس مقام تک رسائی حاصل کر سکے۔ یہ دعویٰ محض عقیدتاً نہیں کیا جا رہا، بلکہ یہ ایک حقیقت ہے جو خود خدا تعالیٰ نے قرآنِ کریم کی اس آیۂ کریمہ میں بیان فرمائی ہے:-

"مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ؁"

یعنی اے لوگو! محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) تم میں سے کسی کا جسمانی باپ نہیں ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہ سمجھو کہ اُسے جو روحانی ابُوّت کا مرتبہ حاصل ہے اس سے انکار کیا جا رہا ہے۔ وہ تمہارا روحانی باپ ہے ــــ یہاں تک صرف وہ بات بیان کی گئی ہے جس کا تمام نبیوں سے تعلق ہے۔ کیونکہ ہر نبی اپنے ماننے والوں کا روحانی باپ ہوتا ہے۔ پس آیت کی یہاں تک کی عبارت میں تو کسی قسم کی امتیازی حیثیت کا اظہار نہیں کیا گیا۔ لیکن اگلے دو الفاظ ایسے ہیں جو نہ کسی اور کے متعلق کہے گئے اور نہ آئندہ کسی کے متعلق کہے جائیں گے۔ یہ حصہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا تھا۔ اس امتیاز سے رسول اکرمؐ ہی نوازے جا سکتے تھے اور وہی نوازے گئے۔ وہ دو الفاظ ہیں "خاتَمُ النّبیّین"۔

"خاتم النبیین" ایک ایسا تاج ہے جو دنیا کے بڑے سے بڑے شہنشاہ کو بھی نصیب نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تاج پہنایا تو ایک یتیم کو پہنایا (فداہ ابی وامی) اور حقیقت یہ ہے کہ جس کو یہ تاج پہنایا گیا اس نے اس کا پورا پورا حق ادا کیا۔

ہاں تو اللہ تعالےٰ نے یہ کہہ کر کہ وہ تمہارا روحانی باپ ہے۔ اس روحانی باپؐ کے صحیح مقام

کا خاتم النبیین کہہ کر اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ یہ باپ صرف اپنی ابوت کو منوانے نہیں آیا بلکہ یہ خاتم النبیین ہے۔ تمام گذشتہ نبیوں کی ابوت کا یہ مصداق ہے اور ہر آئندہ مبعوث ہونے والے نبی کی ابُوت اس کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ نبیوں کے لئے مہر ہے جس پر لگے گی صرف وہی نبی بن سکے گا، ورنہ ہزار روڈ، ہزار پیٹو، اس دائرہ سے باہر جا کر مقام نبوت کا حاصل کرنا تو کجا اس خیال کو بھی دل میں لانا گناہ ہے۔

اگر تاریخی حقائق پر غور کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ اس جلیل القدر مقام کے حاصل کرنے والے کو رفیق بھی ایسے ملے تھے جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفقاء کی طرح یہ کہنے کی بجائے کہ جا تُو اور تیرا رب لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں اور عیسٰے علیہ السلام کے حواریوں کی طرح دکھ اور مشکلات کے وقت جھوٹی قسمیں کھا کر اسے حوالہ پولیس کر دینے اور اس کے خلاف گواہیاں دینے کی بجائے اپنی حقیر خدمات کو یہ کہتے ہوئے پیش کیا کہ" اے خدا کے رسول! ہم آپ کے آگے بھی لڑیں گے، اور ہم آپؐ کے پیچھے بھی لڑیں گے، ہم آپ کے دائیں بھی لڑیں گے اور ہم آپؐ کے بائیں بھی لڑینگے اور دشمن آپؐ تک اس وقت تک نہ پہنچ سکے گا جب تک کہ وہ ہماری لاشوں کو روند نہ لے۔"

اسی طرح ایک موقع پر انہی خدام نے اپنی خدمات یوں پیش کی تھیں۔ کہ" اے خدا کے رسول! اگر آپ ارشاد فرمائیں تو ہم اپنے گھوڑوں سمیت ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں کود جائیں اور اپنی جانوں کی ایک پرکاہ کے برابر بھی پرواہ نہ کریں۔" یہ تھے وہ رفقاء جنہوں نے آنحضرتؐ کے صحیح مقام کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کے لئے اپنی جانوں تک کو قربان کر دیا۔

دیگر انبیاء کرام پر آنحضرتؐ کی فضیلت کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک اور رنگ میں بھی بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہے:۔

"اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔"

اسلام کے ظہور سے پہلے دنیا میں جس قدر نبی مبعوث ہوئے وہ سب کے سب اپنی قوم یا

اپنے ملک کی طرف آئے تھے۔ انہیں نہ کسی دوسری قوم سے کوئی تعلق ہوتا اور نہ کسی دوسرے ملک کے لوگوں سے کسی قسم کا واسطہ۔ نہ صرف ان کی تعلیمات کا دائرہ عمل محدود ہوتا تھا، اُن کے اصول و قوانین صرف اور صرف ان کی اپنی قوم یا اپنے ملک پر حاوی ہوتے تھے، بلکہ ان کا زمانہ بھی محدود ہوتا تھا لیکن آنحضرتؐ کی ذات والا صفات ایک ایسی ذات ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے دین کو مکمل کیا اور اپنی ہر اس نعمت کو جس کو حاصل کرنا انسان کی محدود طاقتوں کے بس کی بات ہے۔ ان پر نازل کیا۔ حضورؐ کو ایک ایسی شریعت عطا کی جس میں قیامت تک کسی تغیّر و تبدّل کی ضرورت نہیں۔ حضورؐ کو ایسے راستے کی طرف راہنمائی کی جو اپنے اوپر گامزن ہونے والوں کو خدا تک پہنچانے اور دنیا کی ہر نعمت دلانے کا قیامت تک ضامن ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت

اللہ تعالےٰ نے قرآن کریم میں سورۂ فاتحہ میں یہ دُعا سکھا کر" اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ ۔" یہ پیشگوئی فرمائی تھی، کہ اس عظیم الشان نبی کو ماننے والی امت اور اس قدر مکمل شریعت والے مذہب کے پیرو بھی ایک دن مغضوب اور ضال کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہوں گے۔ ہدایت کی راہیں ان پر کھلی ہونے کے باوجود وہ ان پر گامزن نہ ہوسکیں گے۔ اور وہ امور جو فی الحقیقت اُن کی اور اُن کے آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذلت کا باعث ہوں گے، انہی کو اپنی عظمت گردانتے ہوئے خود ہی اسلام کے لئے ایک بدنما دھبہ بن کر رہ جائیں گے۔ چنانچہ خدا کی وہ بات پوری ہوئی اور وہ مسلمان جو کبھی دنیا بھر کی رہنمائی کا دم بھرتے تھے خود گمراہی کے گڑھے میں گر گئے کہ اپنی مدد کے لئے دوسروں کو بلانے کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہ رہا۔ وہ اپنے مذہب سے ایسے بیگانہ ہوئے۔ ان کے احساسات اس حد تک مٹ گئے کہ انہیں ذلت اور عظمت کی پہچان تک نہ رہی۔ چنانچہ جن امور پر مسلمانوں کو ٹھوکر لگی اور جس کے باعث وہ اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح مقام کو

قائم نہ رکھ سکے وہ مندرجہ ذیل امور ہیں:-

اسلام کے ماتھے پر تین داغ

۱- حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ۔ ۲- اسلام کی بیچارگی کے وقت حضرت عیسےٰ علیہ السلام کا مدد کے لئے آنا۔ ۳- خاتم النبیین سے یہ استنباط کہ آنحضرتؐ کے بعد کسی قسم کا نبی نہیں آسکتا۔

یہ تینوں امور ایسے ہیں کہ جن سے آنحضرتؐ کی شان پر ایک زبردست زد پڑتی ہے اور وہ ایسی زد ہے کہ نہ صرف آنحضرتؐ کے مقام کو اپنی رفعت سے نیچے لانے کا باعث ہے بلکہ ایک ایسے مقام پر لے آتی ہے جہاں حضرت عیسےٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر بھی حضورؐ سے بہت بڑھ چڑھ کر نظر آتے ہیں۔ حالانکہ یہ کون نہیں جانتا کہ عیسےٰ علیہ السلام تو محض ایک بالواسطہ پیغمبر ہیں اور موسےٰ علیہ السلام کے سلسلہ کے آخری نبی۔

اب ہم ان تینوں اُمور پر علیحدہ علیحدہ غور کرتے ہیں۔

۱- حضرت مسیح ناصریؑ کی حیات اور اُن کے رفع بالجسم کا مسئلہ ایک ایسی غلطی ہے جس نے مسلمانوں میں رواج پاکر ان بنیادوں کو یکسر کھوکھلا کر دیا ہے۔ مسلمان عیسائیوں کو اس بات کا کیا جواب دے سکتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو تکالیف کے وقت خدا نے اپنے پاس بُلا لیا اور ان کی حفاظت کے لئے اُنہیں عرش پر لے جانا منظور فرما لیا حالانکہ محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو عام انسانوں کی طرح غاروں میں چھُپ چھُپ کر اپنی جان بچانی پڑی۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس طرح خدا پر اس کی کمزوری کا اعتراض وارد ہو سکتا ہے۔ لیکن حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے باقی تمام انبیاء سے بڑھ کر محبت کا مسئلہ تو عیسائیوں کے لئے حل ہو گیا۔ اور اگر فی الحقیقت یہ ثابت ہو جائے کہ خدا تعالیٰ حضرت عیسےٰ علیہ السلام سے باقی تمام انبیاء سے زیادہ محبت کرتا ہے تو کوئی وجہ نہیں، کہ کسی اور شخص پر چاہے وہ آنحضرتؐ ہی کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ کے فضل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ پر زیادہ نازل ہوں۔ اور حضرت عیسےٰؑ کے دین سے

زیادہ مکمل دین کسی کو عطا کیا جائے۔

پس جس وقت ایک مسلمان اپنی زبان سے یہ اقرار کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو حفاظتِ کاملہ کے لئے عرش پر لے گیا تو اسی وقت وہ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ رہا ہوتا ہے، کہ یقیناً اللہ تعالےٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے باقی تمام بنی نوع انسان کی نسبت زیادہ محبت کرتا ہے (اسی بنی نوع انسان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں) اگرچہ وہ ظاہرہ طور پر اس بات کا قائل نظر آتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے سرتاج ہیں لیکن وہ محض اپنے نفس کو دھوکا دے رہا ہے کیونکہ وہ تو عقیدہ کے لحاظ سے اس بات کا اقرار کر چکا ہے کہ آنحضرتؐ سے بڑھ کر ایک ایسی ہستی موجود ہے جو اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے۔ اور یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ عزیز تو حضرت عیسےٰ علیہ السلام ہوں، لیکن نبیوں کے سرتاج محمدؐ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو بنایا جائے۔ یہ محبّت کی فطرت کے خلاف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہرگز ایسا کرنے والا نہیں ہے۔

اس غلط عقیدہ نے اسلام پر ایک ایسی کاری ضرب لگائی ہے، کہ مسلمانوں کا ایک کثیر حصّہ عیسائیوں کے پھندے میں جا پھنسا اور ان کی طاقت کم ہونے لگی۔

۲- دوسرا غلط عقیدہ جو اسلام کے حسین چہرہ پر ایک بدنما دھبہ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارفع مقام پر ایک کاری ضرب، وہ مسلمانوں کا اس بات پر ایمان رکھنا ہے، کہ جب ایمان ثریا پر جا چکا ہوگا۔ قرآن کریم کی موجودگی کے باوجود مسلمانوں کی اخلاقی و مذہبی حالت گر چکی ہوگی اور اسلام پر ایک سخت مصیبت کا وقت ہوگا، ایسی حالت میں امتِ محمدیہؐ کا کوئی ایک فرد بھی اس قابل نہ ہو سکے گا کہ اللہ تعالیٰ اُسے نوازے اور مسلمانوں کی ہدایت کے لئے کھڑا کرے، بلکہ اسلام کی ڈوبتی ناؤ کو بچانے کیلئے حضرت عیسےٰ علیہ السلام، جنہیں درحقیقت اسلام سے کوئی واسطہ نہیں، بلکہ موسوی سلسلہ کے ایک نبی ہیں اور مسلمانوں کے عقیدہ کی رُو سے انیس سو سال سے آسمان پر زندہ بیٹھے ہیں وہ نازل ہوں گے اور آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کی امت کی اصلاح کریں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

. . . . انسانیت کے سب سے بڑے مرتبہ (نبوت) کو حاصل کر گئے لیکن افسوس ہے مسلمانوں پر کہ انہوں نے یہ عقیدہ بنا لیا ہے کہ معاذ اللہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے نبی ہیں کہ ان کی آمد کے ساتھ ہی نبوت کے تمام دروازے بند ہو گئے۔ آنحضرتؐ کی اطاعت سے لوگ انعام تو پائیں گے لیکن صرف معمولی معمولی انعام۔ اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا انعام یعنی نبوت، وہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے کبھی میسر نہ آئے گا۔ یہ ایک ایسا عقیدہ ہے جو آنحضرتؐ کے مقام کو بیشتر نبیوں کے مقام سے بہت نیچے لے آتا ہے۔ اس عقیدہ کی موجودگی میں یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرتؐ نبیوں کے سرتاج ہیں، اور بنی نوع انسان میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ پس یہ دوسرا غلط عقیدہ ہے جس سے آنحضرتؐ کے صحیح مقام پر ایک کاری ضرب لگتی ہے۔

۳۔ تیسرا غلط عقیدہ دوسرے عقیدہ ہی کی موافقت میں ہے۔ مسلمانوں نے "خاتم النبیین" کے معنے کئے ہیں نبیوں کا ختم کرنے والا۔ جس کا مفہوم یہ لیا جاتا ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کے نبی کو ختم کرنے والے ہیں۔ یعنی چونکہ دین کامل ہو چکا ہے اس لئے آئندہ نہ تشریعی نبی آ سکے گا نہ غیر تشریعی۔ لیکن اس جگہ وہ حضرت عیسٰے علیہ السلام کا خانہ خالی رکھ لیتے ہیں۔ یہ الگ بحث ہے کہ اگر آنحضرتؐ نبیوں کو ختم کرنے والے ہیں تو پھر حضرت عیسٰی علیہ السلام جو نبی ہیں ان کو تو ختم نہ کیا۔ لیکن اس وقت اس بحث سے ہمیں سروکار نہیں ہے۔ ہم اس عقیدہ کے اس پہلو کو لے رہے ہیں کہ اس کے رواج پذیر ہونے سے آنحضرتؐ کے مقام پر کیونکر زد پڑتی ہے۔

جیسا کہ دوسرے غلط عقیدہ کی تشریح میں بیان کیا جا چکا ہے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بہت سے ایسے گزرے ہیں جن کی اطاعت کاملہ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انعامات کا وعدہ دیا۔ اور پھر ان لوگوں کو جنہوں نے اطاعت کاملہ کی، اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فضل سے نوازا اور باوجود اس کے کہ وہ کوئی نئی شریعت نہ لاتے تھے، اللہ تعالیٰ کے ہاں سے

۶ لعام

پاتے رہے۔ لیکن نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق حضرت نبی کریمؐ کی قوتِ قدسی اس قابل نہیں کہ وہ اپنی امت میں سے کسی شخص کو اس مرتبہ کا اہل بنا سکیں۔ حتیٰ کہ جب اسلام پر مصیبت کا وقت ہو گا اور اسلام کے پیروؤں کی اصلاح کی ضرورت پیش آئے گی تو انہیں حضرت موسیٰؑ کے سلسلہ کے ایک نبی (حضرت عیسےٰؑ) کا رہینِ منت ہونا پڑے گا۔ اس وقت اس بات کے دلائل دینے کی ضرورت نہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نہ آسمان پر ہیں اور نہ ہی وہ بذاتِ خود واپس دنیا میں آ کر اُمتِ محمدیہ کی اصلاح کریں گے، بلکہ اس وقت صرف یہ کہنا مقصود ہے کہ یہ عقیدہ حضرت نبی کریمؐ کی قوتِ قدسی پر ایک کاری ضرب ہے جو مسلمانوں نے اپنے ہاتھوں لگائی ہے۔ کاش! وہ سمجھتے اور کاش! وہ اب بھی سمجھیں!! ان تینوں عقائد کے رواج پذیر ہونے پر اگر غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ تمام باتیں صلیب کے ارد گرد چکر لگاتی ہیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت اور صحیح مقامِ محمدیت کا اظہار

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی بہت بڑی غرض کسرِ صلیب تھی۔ اور درحقیقت صلیب ہی ایک ایسی چیز ہے جس نے مسلمانوں میں مندرجہ بالا پہلا اور دوسرا غلط عقیدہ رائج کیا۔ کیونکہ جب انہوں نے اس بات کا اقرار کیا کہ حضرت مسیح ناصری صلیب پر وفات نہیں دیئے گئے اور نہ وہاں سے کہیں اور تشریف لے گئے ہیں تو انہیں یہ عقیدہ گھڑنا پڑا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اُٹھا لیا، اور جب وہ آسمان پر گئے ہیں تو ان کی واپسی بھی ضروری ٹھہری۔ پس عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور ان کے رفع بالجسم کا عقیدہ اور اسلام کی بے چارگی کے وقت ان کا مدد کے لئے آنا ایسے عقیدے ہیں جو صلیب سے تعلق رکھتے ہیں اور اسلام میں سب سے بڑے فساد کے موجب ہیں۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان دونوں عقیدوں کا قلع قمع کیا اور دنیا پر ظاہر کر دیا کہ درحقیقت حضرت عیسٰے علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں، نہ وہ آسمان پر گئے ہیں اور نہ وہ

بنفسِ نفیس واپس تشریف لائیں گے ۔جب ان دونوں عقیدوں کا غلط ہونا ثابت ہو جائے تو تیسرا عقیدہ از خود غلط ثابت ہو جاتا ہے ۔ اور وہ یوں کہ جس مسیحؑ نے آنا ہے وہ ہوگا تو بہر حال نبی، اور جب مسیح ناصری کی بجائے جو پہلے ہی سے نبی ہیں، کوئی اور شخص نبی بن کر آئیگا تو خاتم النبیّین کے وہ معنی قائم نہ رہ سکیں گے، جو مسلمانوں نے رائج کر رکھے ہیں ۔ پھر تو یہ ماننا پڑے گا کہ آنحضرتؐ کی قوتِ قدسی سے بھی کامل اطاعت کرنے والا نبی بن سکتا ہے ۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان دونوں عقیدوں کو غلط ثابت کیا اور دنیا کو یہ دکھا دیا کہ یہی تین عقیدے آنحضرتؐ کی افضلیت میں حائل تھے اور انہی تین عقیدوں کی تغلیط کے بعد آنحضرتؐ کی افضلیت روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی ۔

۱۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب تکالیف کے وقت اللہ تعالیٰ نے آسمان پر اٹھایا ہی نہیں، تو وہ آنحضرتؐ سے افضل کیونکر ہو سکتے ہیں ؟

۲۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام جب آسمان پر گئے ہی نہیں تو اُن کی واپسی سے کیا مطلب ؟

۳۔ جب آنے والا مہدی نبی ہے اور وہ امت میں سے ہی کھڑا ہوگا تو معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ کی قوتِ قدسی ابھی تک کام کر رہی ہے (اور انشاء اللہ العزیز قیامت تک جاری رہیگی)

۴۔ چونکہ آنحضرتؐ کی لائی ہوئی شریعت قیامت تک جاری و ساری رہے گی تو کسی اور شریعت کی تشکیل سے کیا مطلب ؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نہ صرف ان تین عقیدوں کو غلط ثابت کر کے آنحضرتؐ کے صحیح مقام سے پردہ اٹھایا بلکہ آنحضرتؐ ہی کی قوت قدسی کے ماتحت دنیا بھر کے مذاہب کو مقابلہ کے چیلنج دئیے ع

"ہر طرف دعوتوں کا تیر چلایا ہم نے"

(حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

لیکن کسی شخص کو جرأت نہ ہوئی ۔ اور جن لوگوں نے اپنے آپ کو اس آگ میں جھونکا وہ جلا کر

بھسم کر دیئے گئے ۔ ان کے ارادے ہباءً منثورًا ہو کر رہ گئے ۔عبد اللہ آتھم، لیکھرام اور ڈوئی کی موتیں آنحضرتؐ کی قوتِ قدسی کے زندہ نشان ہیں ۔کیونکہ یہ معجزات حضورؐ ہی کے ایک روحانی خادم سے ظہور میں آئے ۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک

مندرجہ بالا تینوں عقائد کی تغلیط ایک ایسا امر ہے جس سے آنحضرتؐ کا صحیح مقام جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے اور جس کا تفصیلی ذکر اس مضمون کے آغاز میں کیا جا چکا ہے بخوبی واضح ہو جاتا ہے ۔پس اس وقت دنیا میں آنحضرتؐ کے حقیقی مقام کے قیام کا اظہار صرف انہی لوگوں کے ذریعہ ممکن ہے جو مسلمانوں کے مندرجہ بالا عقائد کی تغلیط پر کمر بستہ ہوں اور چونکہ وہ جماعت، جماعتِ احمدیہ ہی ہے جس نے اپنے ذمہ یہ کام لیا ہے ۔ اس لئے یہ کہنا ایک حقیقت کا اظہار ہوگا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح مقام کا اظہار صرف اور صرف جماعت احمدیہ ہی کے ذریعہ ممکن ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ وہ صبح و مسا اس کارِ خیر میں کوشاں ہے اور ہر ممکن طریق سے وہ حضرت نبی کریمؐ کے صحیح مقام سے وہ پردے جو مسلمانوں نے از خود ڈال رکھے ہیں ہٹاتی چلی جا رہی ہے ۔ ہر نئی طلوع ہونے والی صبح اس بات کی شاہد ہے کہ احمدیوں کا ہر لمحہ و ہر لحظہ اسی کوشش میں صرف ہوا اور شام کو غروب ہونے سے پیشتر سورج یہ گواہی دیتا ہے کہ صرف احمدیہ جماعت ہی آنحضرتؐ کے صحیح مقام کو دنیا کے سامنے پیش کر رہی ہے

لیکن افسوس ہے مسلمانوں کی عقل و خرد پر کہ وہ احمدیہ جماعت کی دشمنی کے درپے ہیں اور ہر وہ بات جو حضرت نبی کریمؐ کے صحیح مقام کو دنیا میں پیش کرنے والی ہوتی ہے اس پر ناک بھوں چڑھاتے ہیں اور بعض اوقات تو محض اس بناء پر کفر کے فتووں کی تجدید ہونے لگتی ہے ۔ اس ضمن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہٖ کا وہ خطبہ پیش کیا جا سکتا ہے جس میں حضور نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتوں کا دروازہ بند نہیں کیا، اور نہ اس نے اپنے انعامات کو محدود کیا ہے ۔ پس یہ انسان ہی پہ منحصر ہے کہ وہ کہاں تک مرتبہ حاصل کر سکتا ہے

اللہ تعالیٰ نے یہ راہ کھلی رکھی ہے کہ اگر کوئی شخص محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم سے بڑھنا چاہے تو بے شک بڑھنے کی کوشش کرے لیکن چونکہ اِس دوڑ میں بنی نوع انسان میں سب سے زیادہ تیز دوڑنے والے حضرت محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اس لئے نہ آنحضرتؐ سے کوئی بڑھا نہ آئندہ بڑھ سکے گا۔

اس مفہوم کا مضمون بیان کرنے سے درحقیقت حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے حضرت نبی کریمؐ کے صحیح مقام پر سے وہ پردہ اٹھایا ہے جس سے حضورؐ کے مقام کی ضیاء پہلے سے کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ لیکن مخالف ہیں کہ اندھادھند مخالفت کر رہے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ دروازہ باقی تمام بنی نوع انسان کے لئے ازل ہی سے بند کر رکھا تھا اور یہ مقام ایسا تھا کہ یہاں تک پہنچنے کی ہر فردِ بشر کو حضرت نبی کریمؐ کے علاوہ مخالفت تھی تو حضورؐ کے اپنے کمال کا تو یکسر خاتمہ ہو گیا کیونکہ حضورؐ کی اپنی استطاعت کا اس میں کچھ بھی دخل نہ رہا۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام اللہ تعالیٰ کے فضلوں پر مبنی ہیں لیکن کیا ممکن ہے کہ وہ اپنے انعامات کو اندھادھند تقسیم کئے جا رہا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک شرابی کو یک مرتبۂ نبوت سے نواز دیا جائے، ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت نہیں ہے اور یہ بات تو عقلِ انسانی کے خلاف ہے۔ اگر ایسا ہی ہو تو پھر اعمال کی کیا ضرورت ہے۔ پس معلوم ہؤا کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کو جذب کرنے والے اعمال ہیں، اور اعمال کی قبولیت اس کے فضل پر منحصر ہے۔ چونکہ ہر شخص کو اعمال کی (اچھے ہوں یا بُرے) توفیق عطا کی گئی ہے، معلوم ہوا کہ ہر شخص کے لئے اللہ تعالیٰ کے بڑے سے بڑے انعام کو حاصل کرنے کا راستہ کھلا ہے۔ لہٰذا ہر شخص کے لئے راستہ کھلا ہونے کے باوجود جو شخص فی الحقیقت بڑے سے بڑا انعام حاصل کر جائے گا اس شخص کی ہی قابلِ داد ہو گی۔

مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جو مقام حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا گیا، اسے حاصل کرنے کی استعداد ہی کسی بشر کو نہیں دی گئی۔ نہ اُسے حاصل کرنے کا موقعہ ہی کسی شخص کو عطا

کیا گیا ہے۔ اگر اس بات کو مان لیا جائے تو اس بات کا اقرار کرنا پڑے گا کہ اس مرتبہ کو حاصل کرنا رسول اکرمؐ کی کسی اپنی خوبی کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ یہ مرتبہ تو اللہ تعالےٰ نے رکھا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا۔ کاش! مسلمان اس بات پر غور کریں کہ ان کے عقیدے کی رُو سے حضرت نبی کریمؐ کے مقام کی کچھ بھی وقعت باقی نہیں رہ جاتی۔ اور دوسرے لوگوں پر کوئی بھی فوقیت نہیں دی جا سکتی۔ آنحضرتؐ کو فوقیت تو اسی رنگ میں حاصل ہو سکتی ہے کہ ہر شخص کے لئے یہ راہ کھلی رکھی جائے، ہر شخص کو اس دوڑ میں حصہ لینے کا موقعہ دیا جائے۔ اور پھر صرف اور صرف حضرت نبی کریمؐ ہی اس مرتبہ کو حاصل کر سکیں۔ پس جماعت احمدیہ کے واجب الاطاعت امام حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہٖ نے ایک اور رنگ میں حضرت نبی کریمؐ کے صحیح مقام کا اظہار کیا ہے۔ اور یہ ایسا اظہار ہے کہ جس سے حضورؐ کی شان پہلے سے کئی گنا نظر آنے لگی ہے۔ یہ نہیں کہ حضورؐ کی شان میں اضافہ ہو گیا ہے بلکہ حضورؐ کے مقام پر مسلمانوں نے ایک پردہ ڈال رکھا تھا جسے اٹھانے کے بعد اس مقام کی درخشندگی نے آنکھوں کو نور عطا کیا اور دلوں کو ایک گونہ سرور۔ کاش! لکیر کے فقیر اپنی آنکھیں کھولیں، اپنے دلوں کے پردے اٹھائیں، اپنے کند ذہنوں کو رسا کریں اور اس بات کو سمجھ سکیں کہ جس جماعت کا امام یہ کہے ؎

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

اور ؎ دگر استاد را نامے ندانم
کہ خواندم در دبستانِ محمدؐ

اور ؎ انکار کر کے اس کا پچھتاؤ گے بہت تم
بنتا ہے جس سے سونا وہ کیمیا یہی ہے

لعلِ یمن بھی دیکھے دُرِّ عدن بھی دیکھے
سب جوہروں سے بڑھ کر دل میں جچا یہی ہے

اس جماعت سے بڑھ کر کونسی جماعت حضرت نبی کریمؐ کے مقام کو صحیح طور پر پیش کر سکتی ہے۔

ہاں اسی جماعت کے امام نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک جگہ فرمایا ہے ؎

بڑھ کر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے
جس کا غلام دیکھو مسیح الزماں ہے

پس یہ کہنا کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حقیقی مقام کا اظہار صرف احمدیت کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے" ایک حقیقت کا اظہار ہے، جس کا اسی طرح انکار نہیں کیا جا سکتا، جس طرح دوپہر کے وقت سورج کا انکار ناممکن ہے ۔

جماعت احمدیہ کی اسلامی خدمات

(اشاعتِ اسلام)

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے سولھویں سالانہ اجتماع میں ۱۲۔اکتوبر ۷۱ء کو یہ مضمون پڑھ کر سنایا گیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے وقت مسلمانوں کی جو حالت تھی اس کا اندازہ اس امر سے کیا جا سکتا ہے کہ سر سید نے لندن سے نواب وقار الملک کو لکھا کہ :-

"میں قسمیہ آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھے مسلمانوں کی بہتری، ترقی اور درستیٔ اخلاق کی جس پر میں کوشش کر رہا ہوں مطلق توقع نہیں ہے بالیوسیٔ محض ہے مگر اس خیال سے کہ ہمارا فرض کوشش کئے جانا ہے، کرتا ہوں۔ پس جس چیز کے حصول سے مایوسی ہو اس مایوسی کے سبب اپنا فرض کوشش ترک کر نہیں سکتا۔"

یہ خط ۱۶ ستمبر ۱۸۹۰ء کو لکھا گیا تھا۔

اس کے بعد اکبر الہ آبادی نے مسلمانوں کے متعلق اپنے خیالات کا یوں اظہار کیا ؎

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر

مجھے تو ان کی بہبودی سے ہے یاس

اور اقبال تو اس قدر مایوس تھے کہ ان کے خیال میں اگر کوئی ترقی یافتہ قوم بھی مسلمان ہو جائے تو اپنی ترقی کھو کر تنزّل کے گڑھے میں جا گرے۔ انہوں نے اس بات کو یوں اپنے ایک شعر میں

بیان کیا ہے

اگر قبول کرے دینِ مصطفےٰؐ انگریز
سیاہ بخت مسلماں رہے گا پھر بھی غلام

اور حالی پانی پتی کا تو پورا مسدس ہی مسلمانوں کی زبوں حالی کی منہ بولتی تصویر ہے۔

یہ کون نہیں جانتا کہ یاس کے یہ خیالات کسی طرح بھی مسلمانوں میں اعتماد پیدا نہیں کر سکتے تھے اور گرتے ہوئے کو اعتماد ہی کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اس کے دل میں حاصل کی جا سکنے والی عظمت کا یقین پیدا ہو جائے تو وہ ترقی کے لئے ہاتھ پاؤں بھی مار سکتا ہے لیکن اگر یاس ہی کے خیالات اس پر مسلط رہیں تو وہ اٹھنے کی بجائے گرتا ہی جائے گا۔

اعتماد اور یقین پیدا کرنے کا یہ کام اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے مامور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے رکھ چھوڑا تھا چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اعتماد اور یقین سے پُر تحریرات پڑھ کر دل میں ایک اُمنگ پیدا ہو جاتی ہے اور مسلمان کا دل ایک دفعہ پھر اپنی عظمتِ رفتہ کو حاصل کرنے کا عزم کر لیتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"یقیناً سمجھو کہ نصرت کا وقت آگیا اور یہ کاروبار انسان کی طرف سے نہیں اور نہ کسی انسانی منصوبہ نے اس کی بنا ڈالی بلکہ یہ وہی صبحِ صادق ظہور پذیر ہو گئی ہے جس کی پاک نوشتوں میں پہلے سے خبر دی گئی تھی۔ خدا تعالیٰ نے بڑی ضرورت کے وقت تمہیں یاد کیا۔ قریب تھا کہ تم کسی مہلک گڑھے میں جا پڑتے مگر اس کے باشفقت ہاتھ نے جلدی سے تمہیں اٹھا لیا۔ سو شکر کرو اور خوشی سے اچھلو جو آج تمہاری تازگی کا دن آگیا۔ خدا تعالیٰ اپنے دین کے باغ کو جس کی راستبازوں کے خونوں سے آبپاشی ہوئی تھی کبھی ضائع کرنا نہیں چاہتا وہ ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ غیر قوموں کے مذاہب کی طرح اسلام بھی ایک پُرانے قصوں کا ذخیرہ ہو جس میں

موجودہ برکت کچھ بھی نہیں۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۵۱۴)

اور اس میں کیا شک ہے کہ مسلمان تو اپنے آپ کو گڑھے میں گرے ہوئے ہی محسوس کرتے تھے بلکہ لیڈرانِ قوم اس بات سے مایوس ہو چکے تھے کہ اب یہ قوم کبھی پھر ترقی کر سکے گی اور اس پر وہی تازگی دوبارہ آجائے گی جو اس کا کسی زمانہ میں حصہ رہ چکی تھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بار بار ملتِ اسلامیہ کو یہ یقین دہانی کرائی کہ غلبہ کے دن قریب ہیں اور مسلمانوں کا دین تمام ادیانِ باطلہ پر غالب آکر رہے گا۔

ایک پیشگوئی کا ذکر کرتے ہوئے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"اس پیشگوئی کا ماحصل یہ ہے کہ خدا نے جو اس مامور کو مبعوث فرمایا ہے یہ اس لئے فرمایا کہ تا اس کے ہاتھ سے دینِ اسلام کو تمام دینوں پر غلبہ بخشے اور ابتداء میں ضرور ہے کہ اس مامور اور اس کی جماعت پر ظلم ہو لیکن آخر میں فتح ہو گی اور یہ دین اس مامور کے ذریعہ سے تمام ادیان پر غالب آجائے گا اور دوسری تمام ملتیں بیّنہ کے ساتھ ہلاک ہو جائیں گی۔" (سراج منیر صفحہ ۴۳)

مسلمانوں میں قنوطیت کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ ان کے خیال میں ان کا دین موجودہ زمانے کے فلسفہ اور علم اور سائنس کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھا دنیوی وجاہت سے بھی وہ عاری ہو چکے تھے اور علمی شمعیں بھی بجھ چکی تھیں تاریکی ہی تاریکی تھی۔

یہ حالت دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلمانوں کو یقین دلایا کہ علومِ جدیدہ اور سائنسی ترقیات نہ صرف یہ کہ [illegible] کچھ بگاڑ نہیں سکتیں بلکہ اسلام ان پر غالب آئیگا چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"اس زمانے میں جو مذہب اور علم کی نہایت سرگرمی سے لڑائی ہو رہی ہے اس کو دیکھ کر اور علم کے مذہب پر حملے مشاہدہ کر کے بیدل نہیں ہونا چاہیئے کہ اب کیا کریں۔ یقیناً سمجھو کہ اس لڑائی میں اسلام کو مغلوب اور عاجز دشمن کی طرح

صلح جوئی کی حاجت نہیں بلکہ اب زمانہ اسلام کی روحانی تلوار کا ہے جیسا کہ
وہ پہلے کسی وقت اپنی ظاہری طاقت دکھلا چکا ہے۔ یہ پیشگوئی یاد رکھو کہ
عنقریب اس لڑائی میں بھی دشمن ذلت کے ساتھ پسپا ہوگا اور اسلام فتح پائیگا۔
حال کے علومِ جدیدہ کیسے ہی زور آور حملے کریں۔ کیسے ہی نئے نئے ہتھیاروں کے
ساتھ چڑھ چڑھ کر آویں مگر انجام کار ان کے لئے ہزیمت ہے۔"

(آئینہ کمالاتِ اسلام ص۲۵۵)

جس روحانی تلوار کا حضور علیہ السلام نے اس تحریر میں ذکر فرمایا ہے اس کا ایک پہلو
وہ روحانی تحریرات ہیں جو حضور علیہ السلام نے خزائن کی صورت میں ساری دنیا کے سامنے
پیش فرمائیں اور جنہوں نے ایک دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا اور خیالات کی رَو کو اس
رنگ میں بدلا کہ ادیانِ باطلہ کے پیروکار از خود اپنے مذاہب کے پاؤں پر کلہاڑی مارنے لگے
اور بالواسطہ یا بلاواسطہ اسلام کی حقانیت کے گیت گانے لگے۔ حضور علیہ السلام نے اسلام
کو روشنی قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ مظفر و منصور ہوگی۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"ان لوگوں کو معلوم نہیں کہ اب وہ زمانہ جا رہا کہ جس میں عیسائیت کے مکر و فریب
کچھ کام کرتے تھے اور اب چھٹا ہزار آدم کی پیدائش سے آخر پر ہے جس میں خدا کے
سلسلہ کو فتح ہوگی اور روشنی اور تاریکی میں یہ آخری جنگ ہے جس میں روشنی
مظفر و منصور ہو جائے گی۔ اور تاریکی کا خاتمہ ہے۔" (چشمہ مسیحی ص۲)

اس مذہبی جنگ کی مزید وضاحت کے طور پر حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"مگر یہ نہیں کہ دنیا کی جنگوں کی طرح مسیح موعود کوئی جنگ کرے گا یا دنیا
کے ہتھیاروں کی طرف حاجت پڑے گی بلکہ خدا اپنے بزرگ نشانوں کے ساتھ اور
اپنے نہایت پاک معارف کے ساتھ اور نہایت قوی دلائل کے ساتھ دلوں کو اسلام
کی طرف پھیر دے گا اور وہی منکر رہ جائیں گے جن کے دل مسخ شدہ ہیں۔ خدا

ایک ہوا چلائے گا۔ جس طرح موسم بہار کی ہوا چلتی ہے اور ایک روحانیت آسمان سے
نازل ہوگی اور مختلف بلاد اور ممالک میں بہت جلد پھیل جائے گی اور جس طرح بجلی
مشرق اور مغرب میں اپنی چمک ظاہر کر دیتی ہے ایسا ہی اس روحانیت کے ظہور کے
وقت ہوگا تب جو نہیں دیکھتے تھے وہ دیکھیں گے اور جو نہیں سمجھتے تھے وہ سمجھیں
گے اور امن اور سلامتی کے ساتھ راستی پھیل جائے گی۔" (کتاب البریہ ص۲۷۰ حاشیہ)

یہ سب کام تدریجاً ہونا تھا چنانچہ تدریجی ترقی کے متعلق حضور فرماتے ہیں:۔

"آخر اسی طور سے صلیب توڑا جائے گا یہاں تک کہ ہر ایک محقق نظر سے اس
کی عظمت اور بزرگی جاتی رہے گی اور رفتہ رفتہ توحید قبول کرنے کے وسیع دروازے
کھلیں گے یہ سب کچھ تدریجاً ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ کے سارے کام تدریجی ہیں۔
کچھ ہماری حیات میں اور کچھ بعد میں ہوگا۔ اسلام ابتداء میں بھی تدریجاً ترقی پذیر
ہوا ہے اور پھر انتہا میں بھی تدریجاً اپنی پہلی حالت کی طرف آئے گا۔" (کتاب البریہ ص۲۶۵ حاشیہ)

حضور علیہ السلام نے ساری عمر اشاعت دین کی۔ دین کو زندہ کیا اور شریعت کو قائم کیا۔ اشاعتِ
اسلام کے سلسلے میں ایک ایسا بیش بہا لٹریچر پیچھے چھوڑا جسے مشعلِ راہ بنا کر حضور کی فدائی
جماعت ساری دنیا میں پھیل گئی اور تبلیغ اسلام کے ذریعہ اشاعت اسلام کا فریضہ احسن
طریق سے سرانجام دے رہی ہے۔ اب اپنے اور پرائے اس بات کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے
کہ احمدیہ جماعت اشاعت اسلام کا کام نہایت احسن طریق پر کر رہی ہے۔ موجِ کوثر کے مصنف
لکھتے ہیں:۔

"احمدی جماعت کے فروغ کی ایک وجہ ان کی تبلیغی کوششیں ہیں مرزا صاحب اور
ان کے معتقدوں کا عقیدہ ہے کہ اب جہاد بالسیف کا زمانہ نہیں بلکہ جہاد بالقلم
اور جہاد باللسان یعنی تحریری اور زبانی تبلیغ کا زمانہ ہے۔ ان کے عقیدے سے تمام
مسلمانوں کو اختلاف ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ جہاد بالسیف کی اہلیت نہ احمدیوں

میں ہے اور نہ عام مسلمانوں میں ــــ عام مسلمان تو جہاد بالسیف کے عقیدہ کا
خیالی دم بھر کے نہ عملی جہاد کرتے ہیں نہ تبلیغی جہاد ــ لیکن احمدی ــ تبلیغ کو فریضہ
مذہبی سمجھتے ہیں اور اس میں انہیں خاصی کامیابی بھی حاصل ہوتی ہے۔"

کامیابی کی ایسی لاتعداد مثالوں میں سے ایک مثال یہ ہے کہ کچھ عرصہ ہوا جب بلی گراہم
عیسائی مشہور مناد ــ نے افریقہ کا دورہ کیا تھا اور اسے تقریباً ہر جگہ سلسلہ عالیہ احمدیہ
مبلغین نے للکارا تھا تو اس کے بعد "ناقابلِ یقین افریقہ" Incredible Africa
کے مصنف نے عیسائیت کے زوال پذیر ہونے کی علامات کا ذکر کرتے ہوئے
تحریر کیا کہ :-

"برخلاف اس کے اسلام افریقہ میں عیسائیت کی نسبت تین گنا زیادہ تیز رفتاری
سے پنپ رہا ہے۔ باہر کے کسی مذہب کو قبول کرنے کا سوال ہو تو اہلِ افریقہ اس بات
پر آمادہ ہیں کہ وہ اس بارہ میں مسلمانوں کی طرف رجوع کریں جن کا بجز اپنے مذہب
کی اشاعت کے افریقہ کے ساتھ اور کوئی مفاد وابستہ نہیں۔ یوروپین آبادکاروں
کے متعلق ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ لوگ ہمیں بائیبل تو دیتے رہے لیکن ساتھ کے ساتھ
اس کے عوض میں ہمیں ہماری زمینوں سے محروم کرتے رہے۔ عیسائی مناد بلی گراہم
نے افریقہ کے دورہ سے واپس آکر وہاں عیسائیت کے زوال کی پیشگوئی کی ہے اور
کہا ہے کہ وہ وقت آنے والا ہے کہ جب افریقہ میں عیسائیوں کو جان بچانے کیلئے
غاروں اور زمین دوز خفیہ مقامات میں پناہ لینی پڑے گی۔" (ص ۱۸۹-۱۹۰)

اور یہ اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں کی گئی مساعی ہی کا خدا کے فضل سے ایک ثمر ہے کہ
عیسائی تنظیمیں جو نعوذ باللہ کعبہ پر اپنا صلیبی جھنڈا گاڑنے کے خواب دیکھ رہی تھیں اور برملا
بات کا اظہار کر رہی تھیں کہ وہ دن دور نہیں جب اسلام کے نام لیوا دیکھنے تک کو کہیں
مل سکیں گے اب عیسائیت کے زوال کی پیشگوئیاں کر رہے ہیں۔ نائیجیریا (مغربی افریقہ)

کے ایک بشپ نے اپنی علاقائی کونسل کو متنبہ کیا کہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت عیسائیت
کے لئے خطرہ بن چکی ہے۔ کیتھولک فرقہ کے لوگ شدید قسم کے تعصب میں مبتلا ہوتے ہیں
اور اپنی طاقت کے گھمنڈ میں کسی کو کوئی وقعت نہیں دیتے لیکن ان کے پادری بھی اب یہ کہے
بغیر نہیں رہ سکے کہ ان کی تنظیم میں دراڑیں پڑ رہی ہیں اور ان کے گلہ کے لوگ مذہب کو خیرباد
کہہ رہے ہیں اور عیسائیت اپنی بقا کے لئے جان کی بازی لگائے ہوئے ہے۔

نائیجیریا میں ایک کیتھولک اخبار نے مسلمانوں کی ترقی کو خصوصیت کے ساتھ احمدیہ جماعت
کی مساعی کا نتیجہ بتایا بلکہ اس سے آگے بڑھتے ہوئے اس نے یہ بھی کہا کہ اگر احمدیہ جماعت
کی مساعی مسلمانوں میں بیداری پیدا کر سکتی ہیں تو کیتھولک فرقہ کیوں عیسائیوں کو جگانے میں
ناکام رہا ہے۔

بلی گراہم ہی کے دورے کے سلسلہ میں امریکہ کے رسالہ Muslim World
نے لکھا کہ جب بلی گراہم کو نائیجیریا میں چیلنج کیا گیا تو اس نے چیلنج کا کوئی جواب نہ دیا اور اس کے
نتیجہ میں دی کرسچین سنچری نے دو اداریئے شائع کئے جن میں عیسائی پادریوں کو یہ نصیحت کی کہ
دوسرے مذاہب کا زیادہ گہرا مطالعہ کریں

اور رسالہ Time نے ہمارے ایک پمفلٹ کا خلاصہ شائع کر کے اپنے قارئین کو بتایا
کہ اس پمفلٹ کے مطابق نہ حضرت مسیح ناصریؑ خدا کے بیٹے تھے، نہ صلیب پر فوت ہوئے، نہ
مُردوں میں سے زندہ اٹھائے گئے، نہ آسمانوں پر جسد عنصری کے ساتھ لے جائے گئے اور نہ وہ
خود اب دنیا میں واپس آئیں گے۔

مسلم ورلڈ نے بھی اس پمفلٹ کا ذکر کیا اور اس کے پانچوں نکات بیان کئے۔
سوئٹزرلینڈ کے ایک اخبار Appenseller Sontasblatt نے
اسلام کی اشاعت کا ان الفاظ میں ذکر کیا۔
عیسائی حلقے متواتر اس امر کی طرف توجہ مبذول کروا رہے ہیں کہ افریقہ میں عیسائیت

کے لئے اسلام کا خطرہ روز بروز بڑھ رہا ہے بلکہ اینگلیکن لیمبتھ کانفرنس کے
سیکرٹری نے تو اپنی تقریر میں یہاں تک کہہ دیا کہ عیسائیت کے لئے سب سے
بڑا خطرہ اسلام ہی کی طرف سے ہے۔ اس نے اس بات کا بھی ذکر کیا کہ مسلم
مشنریز کو لوگوں کے ساتھ مل جل کر کام کرنے کا ڈھنگ آتا ہے اور چونکہ وہ
خالص وحدانیت کی تبلیغ کرتے ہیں اس لئے افریقی ان کی طرف زیادہ مائل
ہوتے ہیں۔"

حال ہی میں بریگیڈیئر گلزار احمد صاحب نے دورہ کرنے کے بعد ایک کتاب شائع
کی ہے۔ اس کتاب کا نام ہے "تذکرۂ افریقہ" اس میں جابجا انہوں نے احمدی مبلغین
کا اور ان کے کام کا ذکر کیا ہے۔ بعض افریقی لیڈروں نے تو ان سے یہ بھی کہا کہ اگر احمدی
مبلغین یہاں نہ آتے تو اسلام یہاں سے ختم ہو جاتا۔ کیونکہ ایک عرصہ سے عیسائیت زور پکڑتی
چلی جا رہی تھی

ویسٹ افریقن ریویو جو انگلستان سے چھپتا ہے اس نے لکھا کہ احمدیہ جماعت
نہایت مستعدی سے معروفِ عمل ہے اور ان کی آواز بلند ہے اور وسیع حلقہ تک پہنچتی
ہے۔ یہ سکول جاری کرتے ہیں۔ اخبار نکالتے ہیں اور دوسرے اخبارات میں بھی متعدد موضوعات
پر مضامین لکھتے ہیں۔

ڈیلی ٹیلیگراف (نائیجیریا) نے تو احمدیہ جماعت کی اشاعتی مساعی سے متاثر ہو کر یہاں
تک لکھ دیا کہ اسلام کی اس یلغار کو روکنے کی کوشش کی جائے۔ نتیجہ ایک اور اخبار
نے نکالا۔ ویسٹ افریقن پائلاٹ نے لکھا کہ اگر یہی حالات رہے تو اسلام عنقریب
عیسائیت کی جگہ لے لیگا۔ اسی اخبار نے یہ بھی لکھا کہ عیسائیت اسلام سے شکست کھا
رہی ہے۔

اور اس میں کیا شک ہے کہ عیسائیت کے لئے اب اسلام سے شکست کھانا ہی

مقدر ہو چکا ہے

اخبارات اور کتب کے ایسے بیسیوں حوالے موجود ہیں جن میں اپنوں اور پرائیوں نے
کھلم کھلا اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ احمدیہ جماعت اشاعتِ اسلام کے کام میں آگے
آگے ہے اور بحقیقت احمدیہ جماعت ہی کی مساعی سے دیگر مسلمان بھی بیدار ہو کر اب اشاعتِ
اسلام کی طرف توجہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اب کبھی یہاں سے اور کبھی وہاں سے یہ آوازیں
بلند ہونی شروع ہو گئی ہیں کہ جامعہ اسلامیہ کھولے جائیں تاکہ اشاعتِ اسلام کا کام کرنے
کے لئے مناسب لوگ میسر آسکیں۔ یہ لوگ کہاں تک اپنی آرزوؤں اور امنگوں کو پورا کر سکیں
گے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے لیکن اس بات سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں کہ اشاعتِ
اسلام کے سلسلے میں احمدیہ جماعت کی اسلامی خدمات اللہ تعالیٰ کے فضل سے نمایاں سے
نمایاں تر ہوتی چلی جا رہی ہیں اور غلبۂ اسلام کے دن قریب سے قریب تر آگئے ہیں۔ حال ہی میں
حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا۔

"غلبہ اسلام کے دن مجھے HORIZON پر نظر آ رہے ہیں۔
یہ سورج انشاء اللہ طلوع ہوگا اور نصف النہار پر پہنچے گا اور بہت
جلدی پہنچے گا۔"

اے خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

احمدی مبلّغین اسلام اور مسلمانوں کے خادم ہیں

(خاکسار نے مکرم ایڈیٹر صاحب اردو ڈائجسٹ کی خدمت میں مندرجہ ذیل خط لکھا۔ نسیم سیفی)

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،"

اُردو ڈائجسٹ کا فروری ۱۹۶۷ء کا شمارہ خاکسار کی نظر سے گزرا۔ چونکہ خاکسار کو اللہ تعالےٰ کے فضل سے مغربی افریقہ (خاص طور پر نائیجیریا) میں تقریباً بیس۲۰ سال تک فریضۂ تبلیغ سرانجام دینے کی سعادت حاصل ہے (خاکسار جنوری ۱۹۴۵ء میں ہندوستان سے روانہ ہوا تھا اور ۱۹۵۰ء کے مارچ میں پاکستان آیا تھا اور پھر اکتوبر ۱۹۵۰ء میں دوبارہ مغربی افریقہ کے لئے روانہ ہوا اور جون ۱۹۶۴ء میں واپس پاکستان آیا) ڈائجسٹ کا مضمون "جاگ اٹھا مسلم افریقہ" خاکسار نے خاص دلچسپی سے پڑھا۔

اس مضمون کے لئے مواد مہیا کرنے کے لئے آباد شاہ پوری صاحب نے جو کوششیں صرف کی ہوں گی ان کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تقریباً سارے افریقہ کی موجودہ مذہبی کیفیت کو انہوں نے ذاتی طور پر پیش کر کے پڑھنے والوں کے لئے افریقہ کو سمجھنے میں آسانی پیدا کر دی ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ہر وہ شخص جو اس مضمون کو پڑھے گا آباد صاحب کو خراج تحسین پیش کرنے پر مجبور ہوگا۔

انہوں نے حالات کا تجزیہ بھی خوب کیا ہے اور دراصل افریقہ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اب جبکہ اس کے مختلف ممالک سیاسی ہنگامہ آرائی سے دوچار ہیں اسے سمجھا جائے اور ہر ممکن طریق پر اس کی مدد کی جائے۔

مجھے آباد صاحب کی صرف ایک بات سے اختلاف ہے اور میں اپنے تجربہ کی بناء پر یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ آباد صاحب نے اس سلسلہ میں تحقیق غالباً ضروری نہیں سمجھی اور وہ بات ہے احمدیہ مشنوں سے متعلق مختصر لیکن نتائج کے لحاظ سے دور رس بیان۔ آباد صاحب

نے لکھا ہے۔

"ممباسہ (کینیا) لاگوس (نائیجیریا) اور اکرہ (غانا) میں قادیانیوں نے بھی اپنے مشن قائم کر رکھے ہیں مگر ہر جگہ کے مسلمانوں کو شکایت ہے کہ یہ لوگ ہمارے اندر افتراق پیدا کر رہے ہیں۔"

اگر آباد صاحب نے یہ بات نیک نیتی سے لکھی ہے تو پھر وہ یقیناً غلط اطلاعات کے شکار ہیں اور اگر انہوں نے روائتی تعصب سے کام لیا ہے تو افسوس کا مقام ہے کہ ایک ایسے اہم مضمون پر لکھنے والا شخص ایک ایسی اہم بات کے متعلق تعصب سے اپنا دامن نہ بچا سکا۔

نائیجیریا کے متعلق میں اپنے بیس۲۰ سالہ تجربہ کی بناء پر کہہ سکتا ہوں اور میں نے پاکستان واپس آنے کے بعد یہ بات بارہا کہی ہے کہ وہاں کے مسلمان احمدیہ جماعت کی کوششوں کو استحسان کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور زندگی کے کسی شعبہ میں بھی وہ احمدیوں سے الگ ہو کر کوئی کام کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

۱۹۴۸ء میں مسلم کانگریس آف نائیجیریا کی بنیاد رکھی گئی تو خاکسار اس کے بنیادی اراکین میں شامل تھا اور اویو (Oyo) میں اس کے پہلے اجلاس میں خاکسار نے تقریر کی تھی اور مسلمانوں کی ضروریات کا تجزیہ کر کے بتایا تھا کہ انہیں کس طرح پورا کیا جا سکتا ہے۔ مسلمانوں نے اس تقریر کو سراہا تھا اور اس میں پیش کردہ تجاویز پر عمل پیرا ہونا شروع کر دیا تھا۔

جب Oyo کے مسلمان مقامی حکمران کو مغربی نائیجیریا کی عیسائی حکومت نے مذہبی تعصب کی بناء پر معطل کر دیا تھا تو مغربی نائیجیریا کے وزیر اعلیٰ سے اس سلسلہ میں مسلم کانگریس کا جو وفد ملاقاتیں کرتا رہا اس کے تین ممبروں میں خاکسار بھی شامل تھا (دوسرے دو ممبر صدر صاحب اور سیکرٹری صاحب تھے)

لیگوس میں جب دس اسلامی تعلیمی سوسائٹیوں نے مسلم ٹیچر ٹریننگ کالج کا آغاز کرنا چاہا اور کوشش کے باوجود کوئی ایسا تعلیمیافتہ مسلمان نوجوان نہ مل سکا جو اس کا پرنسپل بننے کا اہل ہو تو

خاکسار کی وساطت سے ایک پاکستانی احمدی کو اس کالج کا پرنسپل مقرر کیا گیا۔ الحمدللہ کہ اس پاکستانی احمدی کا کام نہایت تسلی بخش ہے اور وہ کالج کے آغاز سے لیکر اب تک اس کالج کے پرنسپل ہیں۔

یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہیں کہ اس کالج کے بورڈ آف گورنرز کا چیئرمین خاکسار ہی تھا بلکہ کالج کھولنے کی اجازت کے لئے حکومت کو جو درخواست دی گئی اس پر خاکسار ہی نے چیئرمین اور اس وجہ سے پروپرائٹر کی حیثیت سے دستخط کئے تھے۔

جن دس اسلامی تعلیمی سوسائٹیوں کا خاکسار نے اوپر ذکر کیا ہے انہوں نے اپنے آپ کو منظم کرنے کیلئے کونسل آف مسلم سکول پروپرائٹرز قائم کی ہوئی تھی اور پہلے کچھ عرصہ کیلئے خاکسار اس کونسل کا خزانچی تھا اور پھر اس کا نائب صدر۔

ریڈیو نائیجیریا کے عام اسلامی پروگراموں میں تو ہر اسلامی سوسائٹی حصہ لیتی ہی تھی۔ لیکن جب ایک خاص پروگرام "اسلامی نظریہ" شروع کیا گیا تو یہ پروگرام خاکسار کے سپرد کیا گیا اور کئی سال تک (نائیجیریا سے واپسی کے دن تک) یہ پروگرام خاکسار ہی کے سپرد رہا۔ اس پروگرام میں فقہی مسائل سوال و جواب کی صورت میں پیش کئے جاتے تھے۔ یہ پندرہ روزہ پروگرام تھا اور اصل پروگرام کے چند روز بعد اس کا لوکل زبان میں ترجمہ سنایا جاتا تھا۔ عیسائیوں کے کئی احتجاجوں کے باوجود کہ یہ پروگرام خاکسار کو نہ جائے پروگرام

اخبارات میں اسلامی کالم لکھنے میں بھی سب مسلمانوں نے خاکسار سے نہایت قابلِ قدر تعاون کیا۔ خاکسار ایک ہی وقت میں تین تین اخباروں میں ہفتہ واری اسلامی کالم لکھتا رہا۔ سب سے پہلے ڈیلی سروس میں، مارننگ پوسٹ میں، ڈیلی [illegible] میں اور پھر مڈل بیلٹ ہیرلڈ میں کچھ عرصہ کے لئے ایک لوکل زبان کے اخبار میں بھی خاکسار کا اسلامی کالم چھپتا رہا۔

سب سے [illegible] اسلامی سکول جو اس وقت مسلمانوں کے سکولوں میں تقریباً سب سے بڑا سکول ہے احمدیہ جماعت ہی نے لیگوس میں کھولا تھا یہ ۱۹۲۳ء کی بات ہے۔ جب ۱۹۲۸ء میں لیگوس کے

ریذیڈنٹ نے اس سکول کی عمارت کی رسم افتتاح ادا کی تو کھلم کھلا اس بات کا اعتراف کیا کہ سکولوں کے اجراء کا سہرا احمدیہ جماعت ہی کے سر ہے۔ کیونکہ صحیح معنوں میں اس جماعت نے اسلامی تعلیم کا آغاز کیا ہے۔

اب خدا تعالیٰ کے فضل سے وہاں مسلمانوں کے سینکڑوں سکول ہیں۔ خاکسار ایک لمبے عرصہ تک ملک کی سکاؤٹ کونسل میں مسلمانوں کا واحد نمائندہ تھا۔

۱۹۶۰ء میں جب ملک آزاد ہوا اور آزادی کے لئے عیسائیوں اور مسلمانوں نے الگ الگ دعائیہ جلسے کئے تو لیگوس میں مسلمانوں کے جلسہ میں سب سے پہلی آئٹم خاکسار نے ادا کی

سیکنڈری سکولوں کے لئے عربی اور دینیات کا سلیبس بنانے کے لئے جنوبی نائیجیریا سے جو تین نمائندے شامل ہوئے تھے ان میں خاکسار بھی شامل تھا۔

ایسی بہت سی باتوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے لیکن میں یہاں ایسی باتوں کی مکمل فہرست دینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ نائیجیریا اور اسی طرح دیگر افریقن ممالک کے مسلمان احمدیہ جماعت کے کام کو سراہتے ہیں اور ان سے مل کر کام کرنے کو اسلامی فریضہ ہی تصور کرتے ہیں۔

افسوس ہے کہ آباد صاحب نے ان باتوں کی تحقیق کئے بغیر یہ لکھ دیا ہے کہ مسلمانوں کو شکایت ہے کہ لوگ ہمارے اندر افتراق پیدا کر رہے ہیں۔ انہیں یہ بتانا چاہئے تھا کہ یہ بات کس نے کہی ہے اور اس کی وہاں کے مسلمانوں میں کیا پوزیشن ہے۔

جو باتیں میں نے اوپر بیان کی ہیں اگر ان کا نام افتراق رکھا جا سکتا ہے تو پھر یقیناً یہ کہنا پڑے گا کہ افتراق کے پہلے کچھ اور معنے تھے اور اب کچھ اور۔

امید ہے یہ چند سطور آپ اردو ڈائجسٹ میں شائع فرما کر ممنون فرمائیں گے

والسلام

خاکسار نسیم سیفی۔ ایڈیٹر ماہنامہ تحریک جدید ربوہ

محترم کرنل ڈاکٹر محمد یوسف شاہؒ کی یاد میں

نائیجیریا میں ایک عرصہ سے کوشش جاری تھی کہ اسلامی تبلیغ کے ذریعہ روحانی خدمت خلق کے ساتھ ساتھ وہاں کے باشندوں کی جسمانی خدمتِ خلق کا بھی انتظام کیا جائے۔ جہاں احمدیہ جماعت نے خلافت حقہ کی قیادت میں لوگوں کے روحانی امراض دور کئے ہیں اور لقائے الٰہی کی تشنگی کو بجھانے کے لئے مبلغین مہیا فرمائے ہیں تا لوگوں کو حلقہ بگوشِ اسلام ہونے میں مدد دیں وہاں جسمانی امراض سے رہائی کا بھی انتظام کیا جائے لیکن ہماری کوششوں میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی خامی رہ جاتی تھی یا تو نائیجیریا کی حکومت کی طرف سے وقت پر اجازت نہ ملتی تھی یا اجازت کا امکان پیدا ہوتا تھا تو پاکستانی ڈاکٹر میسر نہ آتے تھے۔ چنانچہ تقریباً دس سال تک یہ کوشش جاری رہی کہ اللہ تعالیٰ تمام عوامل کو جمع فرما دے اور نائیجیریا مشن کو یہ توفیق عطا فرما دے کہ وہاں ایک ڈسپنسری کھول دی جائے۔ ۲۹ جون ۱۹۵۲ء کو حکومتِ نائیجیریا کو پہلی دفعہ پاکستانی ڈاکٹر کے پرمٹ اور ڈسپنسری کے اجازت نامے کے لئے درخواست دی گئی تھی اور بالآخر یکم نومبر ۱۹۶۱ء کو ہماری دعاؤں کو سنتے ہوئے اور ہماری حقیر کوششوں کو شرفِ قبولیت بخشتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے نائیجیریا میں ڈسپنسری کھلنے کا انتظام کر دیا۔ یہی وہ دن ہے جس روز محترم ڈاکٹر کرنل محمد یوسف شاہ صاحب نائیجیریا پہنچے تھے۔ جماعت کے افراد کی ایک کثیر تعداد ہوائی اڈے پر گئی ہوئی تھی اور اس خوشی سے پھولی نہ سماتی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس مشن کو ایک اور رنگ میں بھی خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائی۔ اھلاً و سھلاً و مرحباً اور اللہ اکبر، اسلام زندہ باد کے نعروں سے محترم ڈاکٹر صاحب کا استقبال کیا گیا۔ چنانچہ آپ جماعت کے جم غفیر کی معیت میں احمدیہ مشن ہاؤس میں تشریف لائے اور اس کے بعد تین چار ماہ تک وہیں رہائش کا شرف خاکسار کو عطا کیا۔ اس عرصہ میں ڈسپنسری کی سکیم پر غور کیا گیا۔ لیگوس کے مختلف علاقوں اور لیگوس سے باہر بعض شہروں اور

قصبوں کا دورہ کیا گیا تاکہ کسی مناسب مقام پر ڈسپنسری کا آغاز کیا جا سکے۔

آغاز میں محترم ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ لیگوس سے باہر ڈسپنسری کھولی جائے تو زیادہ مفید رہے گی۔ ان کے مدِنظر زیادہ تر یہ بات تھی کہ گاؤں اور قصبوں میں طبی امداد کم مہیا ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی طبی ضروریات کا بدرجہ اولیٰ خیال رکھنا ضروری ہے اور ڈسپنسری کو وسعت دینے میں بھی آسانی رہے گی اور ان کا یہ خیال بہت حد تک درست تھا لیکن بعض مجبوریوں کی بنا پر اور بعض دیگر امور کی اہمیت کے پیشِ نظر فیصلہ کیا گیا کہ لیگوس ہی میں یہ ڈسپنسری کھولی جائے۔ چنانچہ لیگوس کے ایک حصہ میں جسے اپاپا کہتے ہیں ایک دو منزلہ مکان کرائے پر لے کر ڈسپنسری کھول دی گئی۔

مقامی حالات سے پوری طرح آگاہ ہونے کے لئے اور مقامی ہسپتالوں کی کارکردگی سے واقفیت پیدا کرنے کے لئے محترم ڈاکٹر صاحب نے اپنی ڈسپنسری شروع کرنے کے ساتھ ہی حکومت کی خواہش اور اپنی ضرورت کے مدِنظر جز وقتی سروس بھی شروع کر دی کہ مہینہ میں تین روز ـــ دن میں ایک وقت ـــ حکومت کے ایک ہسپتال میں کام کرنے لگے۔

یہاں یہ بات بیان کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جب محترم ڈاکٹر صاحب لیگوس پہنچے تھے آپ کی طبیعت علیل تھی۔ درد زوروں پر تھا اور ہر وقت بلغم آتی رہتی تھی۔ لیکن اس تکلیف کے باوجود آپ نے انتہائی توجہ اور محنت کے ساتھ کام شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے معجزانہ رنگ میں آپ کو صحت عطا کر دی بلکہ اس ضمن میں وہ اس بات پر بھی حیران تھے کہ عام طور پر مونگ پھلی دمہ کے لئے مضر ہے لیکن انہیں مونگ پھلی ہی سے اللہ تعالیٰ نے شفا دی تھی۔ چنانچہ ان کی میز پر مونگ پھلی کا ڈبہ ہر وقت موجود رہتا۔ اور جب گھر سے باہر جاتے تھے تو مونگ پھلی اپنے ساتھ لے جاتے تھے یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ اس نے کام کی ہمت اور طاقت عطا کرنے کے لئے انہیں معجزانہ طور پر صحت عطا کر دی۔ ان دنوں میں وہ ادرک اور لہسن بھی تل کر کھایا کرتے تھے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص کو نوازا اور غیر معمولی حالات میں انہیں صحت دی۔ کھانسی بھی کم ہو گئی اور بلغم آنا تو بالکل ہی بند ہو گیا تقریباً تین ماہ مشن ہاؤس

میں قیام کے بعد آپ ڈسپنسری کی عمارت میں اُوپر کی منزل میں رہائش پذیر ہو گئے۔

ڈسپنسری کا آغاز محنت طلب تھا۔ سامان کی خرید، فرنیچر کی تیاری کے لئے وقت بھی درکار تھا اور مشقت بھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ نے ہر کام نہایت تسلی بخش طور پر انجام دیا۔ اور نائیجیریا مشن کو ایک مزید قابل فخر ادارہ مل گیا۔

محترم ڈاکٹر صاحب کی شخصیت میں کچھ ایسا جذب تھا کہ جس سے ملے اس نے سراہا اور دوبارہ ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ حکومت کے افسر آپ کی خاص طور پر عزت و تکریم کرتے تھے اور اسی لئے آغاز ہی سے وہ ہر طبقہ کے ہر دلعزیز بن گئے۔ پارٹیوں اور دیگر تقاریب میں آپ کی شخصیت دوسروں پر اثر انداز ہوئے بغیر نہ رہتی تھی اور میرے لئے یہ بات ازحد قابلِ فخر تھی کہ آپ میری موجودگی میں نائیجیریا میں تشریف لائے اور آپ کی شخصیت کے اثر نے میرے مشن کے کاموں میں زیادہ وسعت پیدا کر دی۔

طبی قابلیت کے علاوہ آپ میں مریضوں سے ہمدردی کا جذبہ بھی اللہ تعالیٰ کی ایک خاص عطا ہی معلوم ہوتا تھا۔ اگرچہ اپنی ڈسپنسری کو نہایت پابندی کے ساتھ کھولتے تھے۔ لیکن مریض کا تو کوئی وقت نہیں ہوتا۔ وہ علی الصبح بھی آتے اور دوپہر کو بھی، شام کو بھی آتے اور رات کے وقت بھی بعض اوقات تو فجر کی نماز کے لئے مسجد میں تشریف لاتے تو بیان کرتے کہ آدھی رات کے وقت ایک مریض آ گیا اور مجھے اتنی دیر تک اس کے علاج میں مصروف رہنا پڑا کہ تھک گیا اور یوں معلوم ہونے لگا دل کی تکلیف شروع ہو گئی ہے۔ آپ کے اس ہمدردی کے جذبہ نے ہی آپ کو ہر دلعزیز بنایا تھا اور لوگوں میں دیگر ڈاکٹروں کی نسبت آپ کی بہت زیادہ عزت تھی۔

گذشتہ آٹھ سالوں میں ڈسپنسری کے ذریعہ نہ صرف ہزارہا نفوس کی جسمانی امراض کو دور کرنے کا آپ نے کام کیا بلکہ اس عرصہ میں آپ نے مشن کے تبلیغی اور تربیتی کاموں میں جو دلچسپی لی اس کی نسبت کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے

نائیجیریا کے جلسہ سالانہ کے موقع پر آپ میڈیکل ایڈ کا مکمل انتظام کرتے تھے۔ بازو پر "طبی امداد"

کا بلا لگائے آپ کو دیکھنے سے مجھے ایک خاص مسرت حاصل ہوا کرتی تھی۔ نائیجیریا کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے احمدی دوست آپ کی طبی قابلیت سے فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اور آپ کو اس بات سے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوئی تھی کہ طبی امداد کا دائرہ لیگوس سے بڑھ کو سارے ملک میں پھیل گیا ہے اور وہ بھی ایسے موقع پر جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جلسہ کا ظِل کہا جا سکتا ہے۔ ان ایام میں آپ نہایت مستعدی سے تمام احمدی دوستوں کی طبی خدمت میں مصروف رہتے تھے۔

سالانہ جلسہ پر آپ کی تقریر ایک خاص جذب کی حامل ہوتی تھی۔ آپ اکثر و بیشتر خلافت اور نظام کی اہمیت کے متعلق تقریر فرماتے تھے۔ میری نائیجیریا سے واپسی کے بعد ایک خط میں آپ نے مجھے تحریر فرمایا کہ آجکل خطبہ میرے ذمہ ہی ہے اور میں تو خلافت اور نظام کی برکت کے موضوع پر ہی لوگوں کو خطاب کرتا ہوں۔ جلسہ سالانہ کے علاوہ بھی ہر جلسے اور ہر تقریب میں آپ سے تقریر کی درخواست کی جاتی تھی اور آپ ایک لمحہ کے تردد کے بغیر "تعمیلِ حکم" (میری درخواست کو وہ اکثر "حکم" کا نام دیدیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ آپ کا حکم سمجھ کر تعمیل کرتا ہوں تو یوں سمجھتا ہوں کہ میرا یہ فعل ثواب کا زیادہ مستحق ہے کیونکہ آپ خلیفہ وقت کے نائب ہیں) خدام الاحمدیہ کے جلسوں میں خاص طور پر آپ کی تربیتی تقاریر نہایت مؤثر ہوتی تھیں۔ آپ کو ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ نوجوانوں کی تربیت کے لئے جتنی بھی کوشش کی جائے کم ہے کیونکہ جماعت کا مستقبل ان کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ خود صحیح راہ پر ہوں گے تو دوسروں کو بھی صحیح راہ پر رکھ سکیں گے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جب انگلستان سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد واپس آنے پر ایک نوجوان نے اپنے خیالات کا اس رنگ میں اظہار کیا کہ ان سے اسلام کی بعض تعلیمات کے غلط سمجھنے کا امکان پیدا ہوتا تھا تو محترم ڈاکٹر صاحب نے نہایت جوش سے اسلامی تعلیمات کے متعلق ایک نہایت ہی پُر اثر تقریر فرمائی۔ یہ موقع اس نوجوان کی استقبالیہ پارٹی کا تھا اور یہ پارٹی شہر کے ایک ہال میں منعقد کی گئی تھی۔ چند ایک غیر از جماعت دوست بھی مدعو تھے۔ محترم ڈاکٹر صاحب کی تقریر کا بہت اچھا اثر ہوا۔ جماعت کے دوست یکزبان ہو کر کہہ اُٹھے

کہ محترم ڈاکٹر صاحب نے نہایت موزوں الفاظ میں اسلام کو نہایت خوبصورت طریق پر پیش کیا ہے۔

یوم التبلیغ کے موقعوں پر یا اتوار کے روز تبلیغی پروگراموں میں آپ نہایت ذوق وشوق سے حصّہ لیا کرتے تھے۔ لیگوس سے کئی میل دور سڑک کے کنارے چھوٹے چھوٹے جھونپڑوں کے سامنے پمفلٹ ہاتھ میں لئے آپ لوگوں کو اسلام کا پیغام پہنچاتے ہوئے جو راحت محسوس کیا کرتے تھے وہ آپ کی زبان سے زیادہ آپ کے چہرہ سے عیاں ہوتی تھی۔ میری نظروں کے سامنے وہ نظارے ابھی تک ایک فلم کی طرح گھوم جاتے ہیں۔ تبلیغی مہمات میں آپ کو منہمک دیکھ کر مجھے یوں محسوس ہوا کرتا تھا کہ آپ کو اس بات کا احساس ہے کہ وقف کیا ہے تو اس سے پوری طرح فائدہ اٹھایا جائے۔ کون جانے کتنا وقت باقی ہے۔ اپنی زندگی کا ہر لمحہ اس احساس سے تازہ رکھنا چاہتے تھے کہ واقف زندگی ہیں اور واقف زندگی کا کام ہے خدمتِ دین۔ مجھے تو یوں معلوم ہوتا تھا جیسے آپ دونوں ہاتھوں سے ثواب سمیٹنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

واقفین زندگی کی آپ کے دل میں بہت زیادہ قدر تھی۔ مبلّغین کا تو آپ اس حد تک احترام کرتے تھے کہ بڑے سے بڑے عہدے والا انسان دیکھ کر مبلغ کی قدر اور عزت کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔ آپ کے اس رویّہ سے مجھے حضرت مصلح موعودؓ کی ایک ہدایت خاص طور پر یاد آجایا کرتی تھی۔ حضور نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ ماتحت اپنے افسر (یعنی ماتحت مبلغ اپنے مبلغ انچارج) کی اس طرح عزت کرے کہ لوگ اسے دیکھ کر مبلغ انچارج کی عزت کرنا اپنا فرض سمجھنے لگ جائیں اور مبلغ انچارج اپنے ماتحت مبلغ سے ایسا اچھا سلوک کرے کہ لوگوں کو آسانی سے اور نمایاں طور پر یہ معلوم نہ ہو سکے کہ افسر کون ہے اور ماتحت کون۔ اس سلسلہ میں مَیں یہ شہادت دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ محترم ڈاکٹر صاحب اپنی دنیاوی وجاہت کے باوجود خاکسار کو جو ان دنوں نائیجیریا میں مبلغ انچارج تھا نہایت عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ہر رنگ میں میری مدد کرنے کو اپنا فرض اوّلین سمجھتے تھے۔

جہاں تک آپ کی طبّی امداد کا سوال ہے اس سلسلہ میں مَیں اپنے جذبۂ تشکر کے اظہار

سے قاصر ہوں۔ آپ نے میری اور میرے اہل وعیال کی ایسے رنگ میں مدد کی کہ مَیں اس سے بڑھ کر کسی سے توقع نہیں کر سکتا۔ میری علالت کے دوران دن رات ایک کر دیا کرتے تھے۔ اگرچہ ڈسپنسری مشن ہاؤس سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے لیکن وہ بار بار آتے اور علاج معالجہ کیلئے ضروری ہدایات دیتے۔ کبھی ایک دفعہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ دن یا رات میں کسی وقت مَیں نے اپنی علالت یا اپنے بیوی بچوں سے کسی کی علالت کے سلسلہ میں آپ کو فون کیا ہو اور آپ بلا تاخیر مشن ہاؤس نہ آگئے ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگرچہ آپ مجھ سے اور میرے بچوں سے ذاتی طور پر بھی محبت کرتے تھے لیکن مبلغ انچارج کو خلیفہ وقت کا نمائندہ سمجھ کر اس کی مدد کرنے کو ہمیشہ باعثِ ثواب سمجھتے تھے۔ ایک دفعہ میری علالت کے ایام میں آپ کو خیال پیدا ہوا کہ شاید اپنڈے سائٹس کی شکایت ہے۔ دوسرے دن صبح آکر فرمانے لگے۔ مَیں نے رات بڑی گھبراہٹ میں گزاری ہے کیونکہ اگر اپنڈے سائٹس تشخیص ہو جائے تو علاج فوری ہونا چاہیئے۔ مجھے ڈر تھا کہ رات کو تکلیف بڑھ نہ جائے اور اسی ڈر سے دل میں گھبراہٹ تھی۔

مبلغین کی حوصلہ افزائی کو آپ بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ مَیں نے تقریباً اڑھائی سال کا عرصہ جو آپ کے ساتھ گزارا ہے اس میں متعدد بار آپ نے نہایت لطیف رنگ میں میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ اخبارات میں جمعہ کے روز میرے مذہبی کالم شائع ہوا کرتے تھے۔ آپ ہر اخبار پڑھتے اور جب کوئی کالم خاص طور پر پسند آتا اسی وقت فون اُٹھا لیتے اور حوصلہ افزائی شروع کر دیتے بعض کالموں کے متعلق تو انہوں نے زور دیا کہ پمفلٹ کی صورت میں شائع کر کے تقسیم کئے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا جاتا رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ من آنم کہ من دانم۔ لیکن محترم ڈاکٹر صاحب نے پاکستان میں بعض دوستوں کو خطوط لکھے اور اپنے رنگ میں مجھے متعارف کرانے کی کوشش کی۔ ان خطوط میں آپ نے نائیجیریا مشن میں تبلیغی کام کا مختصر الفاظ میں جائزہ لیتے ہوئے میرے متعلق بعض ایسے تعریفی کلمات کہے تھے کہ مَیں سن کر ہمیشہ دُعا کرتا تھا کہ اے خدا تُو اس نیک بندے نے میرے متعلق حسنِ ظن کا اظہار کیا ہے تو جانتا ہے کہ مَیں تو کچھ بھی نہیں ہوں تو خود ہی اپنے فضل سے میری

پردہ پوشی فرما اور اُن کے حسنِ ظن کو قائم رکھ۔

جب میں ۱۹۶۷ء میں نائیجیریا سے واپس پاکستان آیا تھا تو آپ نے ایک قلم اور رائٹنگ پیڈ مجھے تحفۃً دیتے ہوئے تحریر فرمایا۔

" اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ آپ کے فنی کمالات کی وسعت اور تخلیقی تصنیفات کی فراوانی کا صحیح احاطہ یا قدر دانی تو ممکن نہیں ہاں یہ حقیر سی نذر قلم اور کاغذ کی شکل میں اس لئے پیشِ خدمت ہے کہ آپ کا اپنا اور مرغوب ہتھیار ہونے کی وجہ سے قبولیت کی تحریک اپنے اندر رکھتی ہے نیز کچھ عرصہ تک لیگوس مشن کی خوشگوار یادوں کو تازہ رکھنے کا کام بھی دے گی۔ گر قبول افتد زہے عزّ و شرف۔

محمد یوسف شاہ "

اور اسی طرح ڈسپنسری کی طرف سے خاکسار کے نام پر ایک مستقل وظیفہ قائم کر دیا کہ خاکسار کے جاری کردہ سکولوں میں سے جو لڑکا اسلامیات میں اوّل آئے اور دیگر مضامین میں بھی اچھے نمبروں پر پاس ہوا سے سیفی سکالرشپ کے نام سے وظیفہ دیا جائے۔ پہلے سال کی وظیفہ کی رقم آپ نے میری موجودگی میں مشن میں جمع کروا دی تھی۔ اس سلسلہ میں آپ نے جو تحریر لکھی اس میں نہایت فراخدلی سے یہ بھی ذکر فرمایا کہ " آپ کی رہنمائی اور بھرپور تعاون کے بغیر ڈسپنسری کا کھولنا اور کامیابی سے چلانا ممکن نہ تھا۔"

آپ ماشاء اللہ بڑھاپے کے باوجود جوانوں کی طرح محنت اور تندہی سے کام کرتے تھے بعض اوقات تو حیرانی ہوتی تھی کہ آپ میں کوئی ایسی قوت کام کر رہی ہے جو غیر معمولی ہے۔ خود کام کو وقت پر اور بلا تاخیر اور نہایت صفائی کے ساتھ کرنے کے عادی تھے اور ان لوگوں سے خاص محبت رکھتے تھے جن میں یہ عادات پائی جائیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ان کی موجودگی میں خود بخود کام کو بہتر طریق پر سر انجام دینے کی خواہش پیدا ہو جاتی تھی۔ ایک لمبا عرصہ فوج میں کام کرنے اور ایک اعلیٰ عہدے پر فائز رہنے کے باوجود آپ میں مذہب کی جزئیات سے بھی حد درجہ محبت پائی جاتی تھی۔ ہر قدم پھونک پھونک کر رکھنے والی بات تھی۔ ہر بات قرآن کریم اور حدیث کے مطابق ہونی چاہیئے اور سلسلہ کی روایات

کا بہتر نمونہ مدِّ نظر رہنا چاہیئے یہی ان کا اصول تھا اور صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور تہجّد گزاری تو ان کی زندگی کا ایک اہم حصّہ تھا۔ خاکسار جب بھی شام کے وقت ڈسپنسری جاتا اور مغرب سے قبل واپس آنے کا خیال ہوتا تو بڑی محبت سے فرمایا کرتے تھے۔ ذرا اور ٹھہریں مجھے بھی مغرب کی نماز باجماعت پڑھنے کا موقع مل جائے، آپ نماز یہیں پڑھ کے جائیں۔ ڈسپنسری مشن ہاؤس اور احمدیہ مسجد سے تقریباً پانچ چھ میل دُور تھی لیکن اس کے باوجود صبح کی نماز مسجد میں آکر ادا کیا کرتے تھے۔

چونکہ شروع میں تین چار ماہ مشن ہاؤس میں قیام پذیر رہے تھے اور معمول کے مطابق خاکسار کی اہلیہ اور بیٹی دونوں نے اُن کے کھانے کا حتی الامکان ایسا انتظام کیا تھا کہ اُن کی بیماری پر بُرا اثر نہ پڑے اور اس کے علاوہ مشن ہاؤس میں جو پارٹیاں ہوتی تھیں ان کے لئے خاکسار کی اہلیہ اور بیٹی ہی کھانے وغیرہ کا انتظام کرتی تھیں اس لئے محترم ڈاکٹر صاحب کو ان دونوں سے ایسا اُنس تھا کہ اسے حقیقی باپ کی محبت سے مشابہت دی جا سکتی ہے۔ میری واپسی پر ایک خط میں آپ نے تحریر فرمایا۔

" گھر میں السلامُ علیکم عرض کریں اور دُعا کے لئے درخواست کریں۔ مَیں ان کا بہت ممنون ہوں انہوں نے میرے لئے بہت دُعائیں کیں اور نیک سلوک کیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔ آپ کا ساتھی نیک اور مبارک وجود ہے۔ یہ آپ کی خوش قسمتی ہے۔"

مبلّغین کی عزّت و تکریم کا مَیں نے پہلے ذکر کیا ہے۔ یہاں ایک واقعہ جس کا میرے دل پر بہت گہرا اثر ہے پیش کرتا ہوں۔ ہُوا یوں کہ ایک دفعہ ہم نے فیصلہ کیا کہ محترم ڈاکٹر صاحب، محترم عبدالمجید صاحب بھٹی اور خاکسار لیگوس سے ساٹھ میل کے فاصلہ پر ایک شہر اجیبواوڈے میں ایک پاکستانی احمدی دوست (جو وہاں استاد تھے اور آجکل آسٹریلیا میں پی ایچ ڈی کر رہے ہیں) سے ملنے چلے۔ خاکسار اور مکرم بھٹی صاحب کے اہل و عیال کو بھی ساتھ ہی جانا تھا۔ بھٹی صاحب کے پاس اپنی کار تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے پاس اپنی اور خاکسار کے پاس مشن کی کار۔ ہم سب مکرم بھٹی صاحب کے مکان پر جمع ہوئے۔ وہاں پر جب روانگی کا وقت آیا تو محترم ڈاکٹر صاحب مجھے فرمانے لگے کہ آپ اپنی کار یہیں چھوڑ جائیں اور میرے ساتھ میری کار میں بیٹھیں۔ میں نے عرض کیا کہ ڈرائیور ساتھ ہے، وہ اپنے گھر کہہ کر آیا ہے کہ آج لیگوس سے باہر جا رہا ہے،

پہلے بھی دو تین دفعہ اسے یہاں لاکر کسی نہ کسی وجہ سے یہیں چھوڑنا پڑا ہے آج اسے ساتھ لے ہی چلیں تو اچھا ہے لیکن ڈاکٹر صاحب کو اصرار تھا کہ مَیں اور میری فیملی ان کی کار میں سفر کریں۔ کہنے لگے کہ مَیں آپ کو ڈرائیو کر کے وہاں لے جانا چاہتا ہوں۔ ایسی باتوں میں وہ راحت محسوس کیا کرتے تھے اور اپنے ذوق کے مطابق ثواب کا موجب سمجھتے تھے چنانچہ آپ نے اس بات پر زور دیا اور مجھے یہ بات ماننے ہی بنی۔ بظاہر یہ ایک چھوٹی سی بات ہے لیکن اس کے پیچھے جو جذبہ کام کر رہا تھا وہ محترم ڈاکٹر صاحب کی ایمانی حرارت کی درخشندہ مثال ہے۔ مبلغ انچارج کو خلیفۂ وقت کا نمائندہ سمجھ کر اس کی عزت کرنے والے دوست دراصل خلافت سے اپنے مضبوط تعلق اور دلی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔

محترم ڈاکٹر صاحب اب ہم سے جُدا ہو چکے ہیں اور اپنے خالقِ حقیقی کے حضور حاضر ہو چکے ہیں۔ آپ کی پیاری یادیں ہمیشہ تازہ رہیں گی اور آپ کے خلوص کے مظاہر آپ کے لئے دلی دعاؤں پر ابھارتے رہیں گے۔

نائیجیریا کے باشندوں سے آپ کا جو محبت کا سلوک تھا وہ نائیجیریا میں احمدیت کی تاریخ کے ایک اہم باب کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ آپ ان کے لئے اپنے دل میں بے پناہ جذبہ پاتے تھے اور اس کا اکثر اظہار کرتے تھے کہ ان لوگوں کو ایک عرصہ تک دبائے رکھا گیا ہے اب وقت آگیا ہے کہ یہ اُبھریں اور دنیا پر ثابت کر دیں کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق نہ رنگ و نسل کی وجہ سے عزت و تذلیل کا باعث بن سکتی ہے نہ تہذیب و تمدن کے جھوٹے دعووں سے۔ بلکہ باعزت وہ ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اور جو رضائے الٰہی کے حصول کی کوشش میں مصروف ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ محترم ڈاکٹر صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقامات عطا فرمائے آپ کی جملہ قربانیوں کو شرفِ قبولیت بخشے اور آپ کی بیگم صاحبہ اور صاحبزادگان کا حافظ و ناصر ہو اور انہیں توفیق دے کہ مرحوم کی خوبیوں کو زندہ رکھ سکیں۔ آمین۔

ایک پادری صاحب سے خط و کتابت

خاکسار کے سیرالیون میں قیام کے دوران ایک دفعہ مکرم مولوی عبدالکریم صاحب شاہد لائبیریا سے تشریف لائے تو اپنے ہمراہ ایک کتاب
Share your faith with a Muslim
خاکسار کے مطالعہ کے لئے لائے۔ مَیں نے اس کتاب کو پڑھا تو جی چاہا کہ اس کتاب کے مصنف سے خط و کتابت کر کے اسلامی نقطۂ نگاہ پیش کیا جائے۔ مصنف کا پتہ تو کتاب پر نہیں تھا لیکن حسبِ معمول مطبع کا پتہ موجود تھا۔ چنانچہ خاکسار نے مطبع کے پتہ پر مصنف کو خط لکھا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ ان کی کتاب پڑھنے کے بعد بعض باتوں کے متعلق استفسار کر سکوں۔ یہ مطبع تو امریکہ کا تھا لیکن کچھ عرصہ بعد انگلستان سے ان کا خط ملا جس میں لکھا تھا کہ وہ آجکل دورہ پر ہیں اور شاید کبھی مغربی افریقہ بھی آجائیں۔ لیکن خط و کتابت کرنے کے لئے مَیں پہلے اپنا تعارف کراؤں اور انہیں بتاؤں کہ کیا مَیں یسوع مسیح کے ذریعہ نجات کا متلاشی اور متمنی ہوں۔ مطلب یہ تھا کہ اگر تو مَیں یسوع مسیح کے ذریعہ نجات کا متمنی ہوں تو وہ میرے سوالوں کا جواب دیں گے۔ ورنہ نہیں۔ جب مَیں نے اپنا تعارف کرایا اور انہیں واضح الفاظ میں بتایا کہ مَیں یسوع مسیح کے ذریعہ نجات کا متلاشی نہیں ہوں۔ البتہ ان کی کتاب کے متعلق چند ایک باتوں کی وضاحت چاہتا ہوں تو وہ خاموش ہو گئے۔

خاکسار ان دنوں سیرالیون سے ایک پندرہ روزہ بلیٹن "احمدیہ مسلم نیوز اینڈ ویوز" شائع کیا کرتا تھا۔ چنانچہ خاکسار نے اس بلیٹن میں مذکورہ کتاب پر ایک ریویو بھی شائع کیا جو مصنف کی خدمت میں بھی ارسال کر دیا گیا۔ اس ریویو کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

مولوی عطاء الکریم صاحب شاہد مبلغ، انچارج لائبیریا نے جو حال ہی میں سیرالیون تشریف لائے

تھے خاکسار کو ایک کتاب کا تحفہ پیش کیا۔ اس کتاب کا نام ہے

Share your faith with a Muslim

(اپنے عقیدہ میں کسی مسلمان کو بھی شریک کیجئے) اس کتاب کے مصنف ایک عیسائی پادری ہیں جنہوں نے الجیریا میں ایک لمبے عرصہ تک عیسائیت کی خدمت کی ہے اور اسی طرح دوسرے علاقوں میں بھی وہ یہ کام کرتے رہے ہیں۔ ۱۹۶۸ء سے وہ الجیریا اور چاڈ CHAD میں گھوم پھر کر عیسائی مبلغین کی تربیت کا کام کر رہے ہیں۔ اور اپنے زیر تربیت عیسائی مبلغین کو خاص طور پر یہ بات سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ مسلمان کو کس طرح تبلیغ کی جائے۔

خاکسار نے اس کتاب کو پڑھا اور پہلا جو تاثر قائم کیا ہے وہ یہ ہے کہ کتاب کے مصنف ایک شکست خوردہ ذہنیت کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور ان کے خیال میں کسی مذہب کے حق پر ہونے کی کچھ زیادہ وقعت نہیں۔ اس بات کا ذکر کئے بغیر کہ عیسائیت کے حق پر ہونے کے کیا دلائل ہیں کوشش کی جائے کہ مسلمانوں کو اور دوسروں کو بھی عیسائی بنایا جائے اور جب مصنف یہ کہتے ہیں کہ جس طرح بھی ہو لوگوں کو عیسائی بنایا جائے" اور جس طرح بھی ہو" کے معیار کو اتنا گرا دیتے ہیں کہ اسکی گہرائی کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔ مثلاً وہ یہ مشورہ دیتے ہیں کہ آپ کو یہ بات بھی تبلیغ میں مفید رہے گی کہ آپ کے سکرٹ زیادہ چھوٹے نہ ہوں۔ لیکن

اس بات کے لئے آپ کو ہمیشہ ہر حال میں تیار رہنا چاہیئے کہ کوئی شخص اپنی نظریں آپ کے سکرٹ پر معائنہ کی غرض سے ڈالے۔

ایک اور مشورہ یا نصیحت جو مصنف اپنے مبلغین کو دیتے ہیں وہ یہ ہے کہ جن عقائد کا براہِ راست کتاب مقدس میں ذکر نہیں ہے۔ ان کو گفتگو کا موضوع نہ بنائیں۔ [illegible] دیتے ہیں کہ تثلیث کو زیر بحث نہ لایا جائے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر عیسائیت کے عقائد میں سے تثلیث کو نکال دیا جائے تو عیسائیت کا باقی کیا رہ جاتا ہے

معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر سی۔ آر مارش جو کتاب کے مصنف ہیں بہت کم تعلیمیافتہ مسلمانوں سے

ملتے ہیں یا وہ صرف ناخواندہ مسلمانوں سے ملتے رہے ہیں اور ناخواندہ مسلمان دوسرے مذاہب کے ناخواندہ افراد کی طرح اپنے مذہب کے متعلق اس طرح دلائل نہیں دے سکتے جس طرح کوئی پڑھا لکھا شخص دے سکتا ہے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ ناخواندہ ہونے کے باعث بہت سے لوگ رسوم و رواج کو اہمیت دیتے ہیں اور مذہب کی حقیقی تعلیم کو بعض اوقات نظر انداز کر دیتے ہیں۔

یہ بات کہ وہ ناخواندہ مسلمانوں سے ہی ملتے رہے ہیں اس کا ثبوت اس طرح ملتا ہے کہ وہ اسلام کو پیش ہی اس طرح کرتے ہیں جس طرح ناخواندہ لوگ جو مذہب کی تعلیم پر عبور نہیں رکھتے اسے مانتے ہیں یا اس پر عمل کرتے ہیں۔

بعض امور جو وہ اپنے زیر تربیت عیسائی مبلغین کو بتاتے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ احساسِ کمتری کا شکار ہیں اور ان کے دل ہی دل میں اسلام کی برتری کے جذبات پلتے جاتے ہیں۔

مثلاً وہ کہتے ہیں کہ جب آپ (عیسائی مبلغ) بائیبل لے کر کسی مسلمان کے گھر جائیں تو آپ بائیبل اس عزت کے ساتھ پکڑیں یا رکھیں جو مسلمان قرآن مجید کے لئے روا رکھتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ اس طرح مسلمانوں کے دل میں بھی بائیبل کی عزت گھر کرنے لگے گی اور وہ اسے ایک آسمانی صحیفہ ماننے کے زیادہ قریب آجائیں گے۔ ایک اور مشورہ وہ عربی زبان کے متعلق اپنے زیر تربیت عیسائی پادریوں (یا تمام عیسائیوں کو جو کسی نہ کسی رنگ میں تبلیغ کے کاموں میں مصروف ہوں) کو دیتے ہیں کہ وہ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھیں کہ عربی کو مسلمان ملائکہ کی زبان سمجھتے ہیں۔ ہمیں (عیسائیوں کو اس توہم پرستی کا یوں فائدہ اٹھانا چاہیئے کہ ہم ان سے کہیں کہ یہ بات واقعی درست ہے اور اس لئے ہم بھی عربی زبان کو قابلِ قدر گردانتے ہیں اور اس کی تعلیم حاصل کرتے ہیں

خاکسار کا خیال ہے کہ "اگر کسی مذہب کی تبلیغ کے لئے ایسی باتوں کو ممد و معاون بنانے کی ضرورت ہے تو وہ مذہب اس قابل نہیں کہ اس کی تبلیغ کی جائے"

مسٹر مارش (کتاب کے مصنف) نے جب مجھے تعارف کے لئے لکھا تو جو خط خاکسار نے ان کی خدمت میں ارسال کی اس کا ترجمہ درج ذیل ہے

ڈیئر مسٹر مارش! آپ کے خط مورخہ ۳۰ ۶/۷۷ کے لئے میں آپ کا از حد ممنون ہوں۔ چونکہ مجھے اس بات کا پوری طرح یقین نہیں تھا کہ وہ خط آپ کو مل سکے گا۔ اس لئے آپ کا خط ملنے کی اور بھی زیادہ خوشی ہوئی۔ آپ نے جو استفسارات کئے ہیں ان کے جواب درج ذیل کرتا ہوں۔

میں ایک پاکستانی ہوں (پیدائش میری اس علاقہ میں ہوئی تھی جسے ہندوستان کہتے ہیں) میں قادیان میں پیدا ہوا تھا جہاں اللہ تعالیٰ نے مسیح موعود کو مسیح ناصری کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی کو پورا کرتے ہوئے مبعوث فرمایا اور میں احمدی مسلمان ہوں۔ آپ چونکہ الجیریا میں رہے ہیں اس لئے آپ کو اسلام سے کسی حد تک واقفیت ہے لیکن میرا خیال ہے کہ شاید آپ نے احمدی مسلمانوں کے متعلق کبھی کچھ نہ سنا ہو۔ احمدی مسلمانوں کے عقائد میں یہ بات شامل ہے کہ مسیح ناصری کی دوسری بعثت حضرت مرزا غلام احمد صاحب (بانی سلسلہ احمدیہ) کی آمد سے پوری ہو چکی ہے۔ اگرچہ ہم یہ تو مانتے ہیں کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو صلیب پر لٹکایا گیا تھا لیکن وہ صلیب پر فوت نہیں ہوئے وہ زندہ اتار لئے گئے تھے مگر اس وقت وہ بے ہوشی کی حالت میں۔ وہ اپنی قبر سے نکلے اور وہاں سے کسی اَور طرف (کشمیر) چلے گئے جہاں انہوں نے اپنا پیغام لوگوں کو پہنچایا یہ لوگ اُن دس قبائل سے تعلق رکھتے ہیں جن کو وہ اس طرح یاد کیا کرتے تھے کہ میری کچھ اَور بھی بھیڑیں ہیں۔

چونکہ صلیب پر انہوں نے جان نہیں دی تھی اس لئے قبر سے باہر نکلنے کو مردوں میں سے جی اُٹھنا نہیں کہہ سکتے اور چونکہ وہ طبعی موت سے اس جہان سے دوسرے جہان میں منتقل ہوئے تھے اور وہ کشمیر میں مدفون ہیں۔ اُن کے آسمان پر جانے اور وہاں سے واپس آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ حضرت مسیح ناصری کی دوبارہ آمد کی پیشگوئی کسی اور شخص کی آمد ہی سے پوری ہوتی تھی۔ یہ "اور شخص" حضرت بانی سلسلہ احمدیہ تھے۔

میں احمدیہ جماعت کا مبلغ ہوں اور یہ کام ۱۹۴۵ء سے کر رہا ہوں۔ شروع شروع میں نائیجیریا میں متعین کیا گیا تھا۔ اور وہاں میں نے ۱۹۶۴ء تک تبلیغی امور سرانجام دیئے ۱۹۶۴ء میں میں واپس

پاکستان چلا گیا اور وہاں مرکزی دفاتر میں مختلف حیثیتوں سے کام کرتا رہا۔ گزشتہ سال میں پھر مغربی افریقہ آیا۔ اس دفعہ سیرالیون۔ سیرالیون میرے لئے کوئی نیا ملک نہیں کیونکہ جب میں نائیجیریا میں تھا تو سارے مغربی افریقہ میں تبلیغی امور کا ذمہ دار تھا اس لئے سیرالیون دورے پر آیا کرتا تھا

میں آپ سے جو استفسارات کرنا چاہتا ہوں ان کی اصل غرض یہ ہے کہ آپ نے جو باتیں اپنی کتاب میں درج فرمائی ہیں اُن میں سے بعض کی مزید وضاحت حاصل کروں اور اسی طرح بعض ایسی باتیں ہیں جو آپ نے اسلام کے متعلق لکھی ہیں نادرست ہونے کی وجہ سے ان کی درستی کرواؤں۔

میں یسوع مسیح کے ذریعے نجات کا متلاشی نہیں ہوں۔ میری نجات تو اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی میں ہے۔ اگر میں ان احکامات کی پابندی نہ کروں تو دنیا میں کوئی شخص بھی میری نجات کا باعث نہیں بن سکتا۔ ہاں اگر میں ان کی پابندی کروں تو پھر مجھے کوئی اَور سہارا لینے کی کیا ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے نجات دے سکتا ہے۔

کیا اب آپ سے ایک دو سوال پوچھوں، آپ نے اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے:-

"ہمیں ہر حال میں یہ بات لوگوں کو بتانی چاہیئے کہ یسوع خدا تھے کیونکہ وہ منجی جو خدا سے رتبہ میں کم ہو وہ ایسے پُل کی طرح ہے جو دوسرے سرے سے ٹوٹا ہوا ہے۔" ص ۴۲

آپ نے لکھا ہے:-

"لیکن خداوند یسوع مسیح نے کبھی کسی کو خدا کے نام پر صحت نہیں دی وہ ہمیشہ اپنی طاقت سے اور اپنا ہی نام لیکر لوگوں کو صحتیاب کیا کرتے تھے۔" ص ۵۰

آپ لوگوں کو یہ باور کرانا چاہیں گے کہ یسوع مسیح اس ہستی سے جسے آپ اور دیگر تمام عیسائی "خدا باپ" کہتے ہیں اس سے کسی طور پر کم نہیں (مسلمان اس "خدا باپ" کو ایک خدا اور واحد لاشریک مانتے ہیں)

اب دیکھئے کہ یسوع مسیح اس کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ آیئے عہد نامہ کی طرف توجہ کریں۔

"اس نے کہا کہ تُو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے۔ نیک تو ایک ہی ہے لیکن اگر تُو نیکی میں داخل ہونا چاہتا ہے تو حکموں پر عمل کر۔" (متی: ۱۷: ۱۹)

"لیکن اُس دن یا اُس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا۔ نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر باپ۔" (مرقس: ۱۳-۳۳)

"پس یسوع نے ان سے کہا میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ بیٹا آپ سے کچھ نہیں کر سکتا۔ سوا اس کے جو باپ کو کرتے دیکھتا ہے۔ کیونکہ جن کاموں کو وہ کرتا ہے انہیں بیٹا بھی اسی طرح کرتا ہے۔" (یوحنا: ۱۹: ۵)

"تم سن چکے ہو کہ میں نے تم سے کہا کہ جاتا ہوں اور تمہارے پاس پھر آتا ہوں۔ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے تو اس بات سے کہ میں باپ کے پاس جاتا ہوں خوش ہوتے کیونکہ باپ مجھ سے بڑا ہے۔" (یوحنا: ۲۸: ۱۴)

"لیکن یہ اس لئے ہوتا ہے کہ دنیا جانے کہ میں باپ سے محبت رکھتا ہوں اور جس طرح باپ نے مجھے حکم دیا میں ویسا ہی کرتا ہوں۔ اٹھو یہاں سے چلیں۔" (یوحنا: ۳۱: ۱۴)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو آپ کہتے ہیں اس میں اور جو یسوع کہتا ہے اس میں اتنا فرق کیوں ہے۔

"احمدیہ مسلم نیوز اور ویوز" ہی میں خاکسار نے مئی ۱۹۷۸ء میں اس مصنف اور اس کی کتاب کے متعلق لکھا:-

"سی آر مارش اپنی کتاب "کسی مسلمان کو اپنے عقیدہ میں شریک کیجئے" میں لکھتے ہیں:-

"ہمیں کسی نہ کسی طرح یہ بات دوسروں تک پہنچانی چاہیئے کہ یسوع مسیح خدا تھے کیونکہ مسیحی خدا سے کمزور ہو تو وہ ایسے ہی ہے جیسے پل کا دوسرا سرا ٹوٹا ہوا ہو۔"

حضرت مسیح علیہ السلام ایک بزرگ نبی تھے اور اللہ تعالیٰ کے محبوب۔ ہم انہیں کسی صورت میں ٹوٹا ہوا پل نہیں کہہ سکتے۔ وہ ایک راستہ ہیں جو COMFORTER کی طرف لے جاتا ہے

وہ ایک دروازہ ہے جن میں سے ہمارے عیسائی دوستوں کو گزرنا چاہیئے تاکہ وہ گھر کے اندر داخل ہو سکیں۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مل سکیں، جس نے ساری سچائی سے آگاہ کرنا تھا۔

لیکن اس میں کیا شک ہے کہ یسوع مسیح (حضرت مسیح علیہ السلام) خدا سے یقیناً کم تر تھے۔ وہ خود کہتے ہیں میرا باپ مجھ سے بڑا ہے اور باپ سے ان کی مراد خدا تھا۔ چونکہ خدا مسیح سے بڑا تھا۔ اس لئے مسیح بہر حال خدا سے کم تر ہوا۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ بیٹا از خود تو کچھ نہیں کر سکتا۔ مہربانی فرما کر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو پل کا ٹوٹا ہوا دوسرا سرا ہرگز نہ کہیئے۔ مگر وہ یقیناً خُدا سے کم تر ہے۔

مارش صاحب یہ بھی کہتے ہیں (صفحہ ۵) تمام نبیوں نے لوگوں کو ہمیشہ خدا کے نام پر صحت دی لیکن خداوند یسوع مسیح نے کبھی خدا کے نام پر صحت نہیں دی۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے نام پر عورتوں اور مردوں کو یہ صحت بخشی۔

کیا مارش صاحب نے یوحنا کی بائیبل میں یہ نہیں پڑھا۔ یسوع نے انہیں جواب دیا۔

میں نے تم سے کہا لیکن تم نے میری بات نہ مانی جو کام میں اپنے باپ کے نام پر کرتا ہوں اس کی وہ گواہی دیتے ہیں۔ (۲۵-۱۰)

مارش صاحب یہ بھی کہتے ہیں اخلاقی بدحالی جو مسلمان ملکوں میں حد سے بڑھی ہوئی ہے اس بات کو واجب بنا دیتی ہے (یعنی یہ کہ ان کو عیسائیت کی تبلیغ کی جائے) لیکن یہ کیفیت ہمارے کام پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ان کے عیسائی ہونے سے پہلے بھی اور بعد میں بھی (یعنی زیادہ تر تربیت کی ضرورت پیش آتی ہے۔) (صفحہ ۷)

مارش صاحب کی یہ کتاب امریکہ میں طبع ہوئی اور امریکہ ایک عیسائی ملک ہے۔ کیا امریکہ ہی وہ ملک نہیں ہے جہاں نوجوانوں کی فروخت ہوتی ہے۔ (TIME کے ایک مضمون بعنوان YAUTH FOR SALE کی طرف اشارہ ہے) کیا امریکہ ہی وہ ملک نہیں ہے جہاں لوگ غیر طبعی فعل کو قانونی تحفظ دینے کے لئے ایک قسم کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ کہا جاتا ہے

کہ نیویارک کم عمر بچوں (لڑکوں اور لڑکیوں) کی جسم فروشی کے پرابلم میں سب سے آگے ہے۔

پولیس کے اندازے کے مطابق ۱۶ سال کی عمر سے کم تقریباً ۲۰ ہزار بچے گھروں سے بھاگ کر شہر کی سڑکوں پر جسم فروشی کے دھندے میں مصروف آٹھ سو کی تعداد میں تو معروف دلال ہی وہاں پر موجود ہیں جو ان بچوں کا استحصال کرنے کے لئے جھپٹتے رہتے ہیں۔ وہ انہیں خوراک مہیا کرتے ہیں۔ پوشاک دیتے ہیں اور رہائش کے لئے جگہ فراہم کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے کلیتہً وفادار ثابت ہوں۔ اور ساری کی ساری کمائی ان کے ہاتھ میں تھما دیں۔

امریکہ تو مسلمان ملک نہیں ہے اور جس اخلاقی حالت کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اس کا کسی اور جگہ سے مقابلہ ناممکن ہے۔ کسی مسلمان ملک میں اتنی فحاشی نہیں مل سکتی۔

ہماری خواہش ہے کہ مارش صاحب اپنی کتاب کو پھر سے پڑھیں اور ان باتوں کو قلم زن کر دیں۔

اناجیل کی تاریخی حیثیت

یہ مضمون بصورت مقالہ مجلس ارشاد مرکزیہ ربوہ کے اجلاس پڑھا گیا۔

اناجیل جمع ہے انجیل کی اور انجیل کے معنی ہیں خوشخبری۔ معروف اصطلاح میں اناجیل وہ چار کتابیں ہیں جو "نیا عہد نامہ" میں متی، مرقس، لوقا اور یوحنا کے نام سے شامل کی گئی ہیں۔

بائبل کے دو حصے ہیں، پرانا عہد نامہ اور نیا عہد نامہ۔ پرانا عہد نامہ یہودیوں کی بائبل ہے اور نیا عہد نامہ عیسائیوں کی۔ اگرچہ عیسائی پرانے عہد نامہ پر بھی اپنے رنگ میں ایمان لانے کا یقین دلاتے ہیں اور پرانے اور نئے عہد نامہ کو اکٹھا شائع کرتے ہیں لیکن حقیقتاً نیا عہد نامہ ہی وہ کتاب ہے جسے عیسائی اپنے ایمان کی بنیاد قرار دیتے ہیں۔ پرانے عہد نامہ کے متعلق ان کا خیال ہے کہ یہ قانونِ شریعت کی کتاب تھی اور شریعت کی ضرورت حضرت مسیح ناصری کی آمد کے ساتھ ختم ہو گئی۔

نئے عہد نامہ میں چار انجیلیں ہیں، اکیس خطوط ہیں، ایک مکاشفہ ہے اور ایک کتاب رسولوں کے اعمال نامہ سے موسوم ہے۔

خاکسار کا یہ مختصر سا مضمون نئے عہد نامہ کی صرف پہلی چار کتابوں یعنی چار انجیلوں (متیؔ، مرقسؔ، لوقاؔ اور یوحنا کی انجیل) سے متعلق ہے۔

یہ چاروں انجیلیں کب لکھی گئیں، کن لوگوں نے لکھیں، ان میں پیش کردہ امور کہاں تک درست مانے جا سکتے ہیں؟ ان چاروں انجیلوں کو کب ایک کتابی صورت دی گئی؟ کتابی صورت دیئے جانے تک اُن پر کیا گزری؟ اس وقت سے لیکر اب تک ان کے ساتھ کیا حوادث پیش آئے ہیں اور ان حوادث کی تاریخی اہمیت کیا ہے؟ یہ ہیں وہ چند ایک باتیں جو خاکسار اس مضمون میں پیش کرنے کی کوشش کرے گا۔ و باللہ التوفیق۔

جہاں تک اناجیل کی تصنیف کا تعلق ہے تمام عیسائی محققین اس بات پر متفق ہیں کہ عیسائیت کے آغاز میں یعنی حضرت مسیح ناصری اپنے حواریوں میں موجودگی اور واقعہ صلیب کے کئی سال بعد تک اس بات کی قطعاً کوئی ضرورت محسوس نہ کی گئی تھی کہ حضرت مسیح ناصری کے سوانحِ حیات یا ان کے ارشادات کو احاطہ تحریر میں لایا جائے۔ حواریوں نے جو کچھ دیکھا یا سنا تھا وہ زبانی طور پر اسے مسیح کے پیغام کی صورت میں لوگوں تک پہنچاتے تھے۔ جب عیسائیت ایک محدود علاقہ سے نکل کر دوسرے شہروں میں بھی پھیلنے لگی تو ان دوسرے شہروں کے عیسائیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ان کے نام خطوط لکھے جانے لگے۔ چنانچہ عیسائیت کے متعلق سب سے پہلا لٹریچر خطوط کی ہی صورت میں ملتا ہے۔ سب سے پہلے خط کی جو تاریخ معین کی جا سکتی ہے وہ سنہ ۴۶ء ہے اور سب سے پہلی انجیل یعنی مرقسؔ کی انجیل سنہ ۶۸ء میں لکھی گئی۔ اگرچہ کہا جاتا ہے کہ مرقسؔ کی انجیل سے پہلے بھی کسی نے حضرت مسیح ناصری کے ارشادات جمع کئے تھے اور انہیں کتابی شکل دی تھی لیکن ان کا Logia کے نام سے ذکر تو موجود ہے وہ کتاب ناپید ہو چکی ہے۔ متی کی انجیل سنہ ۸۰ء میں لکھی گئی۔ لوقاؔ کی انجیل سنہ ۶۷ء میں اور یوحناؔ کی انجیل سنہ ۱۱۵ء میں۔ یہ تاریخیں عیسائی محققین نے اناجیل کی اندرونی اور بعض بیرونی شہادتوں کی بناء پر متعین کی ہیں۔

بیرونی شہادتوں کے طور پر جن دوسرے مصنفین کی کتب سے مدد لی گئی ہے وہ ہیں Justin Martyr کی کتاب Aplogis جو سنہ ۱۵۰ء تک منصہ شہود پر آئیں اور Rabian کی کتاب Diatussarm جو سنہ ۱۶۰ء میں لکھی گئی۔ سب سے پہلے جس تحریر میں چاروں اناجیل کا اکٹھا ذکر ملتا ہے وہ Hypolytus نے روم میں سنہ ۲۰۰ء میں لکھی تھی اور اسے Mauratorium Fragments کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اور اگرچہ دوسری صدی عیسوی کے اختتام سے قبل عیسائیوں کو اس بات کی طرف توجہ پیدا ہو گئی تھی کہ پرانے عہدنامے کے ساتھ ساتھ اب ان کے پاس ایک نیا عہدنامہ بھی موجود تھا لیکن چوتھی صدی کے دوسرے نصف تک ان کتب کی حیثیت مستحکم نہ ہو سکی

تھی۔ سنہ ۳۹۷ء میں کارتھیج میں منعقد ہونے والی عیسائی کانفرنس نے جس میں Augustine (عیسائیوں کا ایک بہت بڑا اہلِ فکر) بھی موجود تھا سارے عہدنامہ کی توثیق کی۔ اس توثیق کے بعد متعدد دیگر اناجیل جو کم و بیش عیسائی دنیا میں رائج ہو چکی تھیں ان کو غیر مقدس اور غیر ضروری قرار دے دیا گیا۔

یہ چاروں اناجیل لکھی کس نے ہیں اس بات کا قطعی فیصلہ غالباً کبھی نہ ہو سکے گا۔ جن مصنفین کے نام ان اناجیل پر درج ہیں ان کے متعلق ایک لمبے عرصہ تک عیسائی دنیا میں بحث ہوتی رہی ہے اور عیسائی محققین صرف اس نتیجہ پر پہنچ سکے ہیں کہ لکھنے والے چاہے کوئی ہوں اب یہی نام ان اناجیل کے ساتھ چسپاں رہنے چاہئیں۔

The Bible - its letters and spirit میں متی کی شخصیت پر

Philosophy or Jesus میں مرقسؔ کی شخصیت پر اور

Outline history of Chuch میں یوحناؔ کی شخصیت پر متعدد اعتراضات کئے گئے ہیں اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جو اناجیل ان کے نام سے منسوب ہیں ان کے متعلق حتمی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ وہ انہوں نے ہی لکھی تھیں۔ جہاں تک لوقاؔ کا تعلق ہے کہا جاتا ہے کہ دراصل لوقاؔ کسی اور لفظ سے بنا ہے اور اس لفظ کا ترجمہ روشن ہونے کی وجہ سے اس انجیل کو روحانی روشنی دی جانے والی کتاب سمجھ کر اس پر لفظ لوقاؔ ثبت کر دیا گیا ہے۔ بہرحال حقیقت یہ ہے کہ یہ چاروں اناجیل متیؔ، مرقسؔ، لوقا اور یوحناؔ کی طرف منسوب ہونے کے باوجود ہمیشہ سے مشتبہ رہی ہیں کہ غالباً یہ ان کے علاوہ کچھ اور لوگوں کی تصانیف ہیں۔

ان چاروں اناجیل میں پیش کردہ امور کو کس حد تک درست مانا جا سکتا ہے۔ یہ ایک نہایت اہم امر ہے کیونکہ اس بات پر عیسائیت کے مروجہ عقائد کی درستی یا نادرستی کا انحصار ہے اگر ان اناجیل میں درج شدہ بعض باتیں نادرست ہیں تو یقیناً ساری باتوں پر شک کا ایک ایسا سایہ پڑتا ہے جو ان کی حیثیت کو نہایت غیر یقینی اور غیر تسلی بخش بنا دیتا ہے۔

Stanley Cook اپنی کتاب An introduction to the Bible میں لکھتے ہیں کہ موازنہ مذاہب اور موجودہ علم ہمیں اس بات سے روکتے ہیں کہ ہم یہ کہیں کہ بائیبل خدا کا کلام ہے۔ اور اگر ہم یہ کہیں بھی تو بائیبل میں خدا کے کلام کو کہاں تلاش کریں بعض لوگ ان کتابوں کو رد کرتے ہیں جو "اپوکرفا" کہلاتی ہیں۔ بعض پرانے عہد نامہ کو ناقابل توثیق قرار دیتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اناجیل کو تو لے لیا جائے لیکن پولوس کے خطوط کو چھوڑ دیا جائے۔ اور بعض اور لوگ ہیں جو حضرت مسیح ناصری کے ارشادات کی بجائے پولوس کے پیش کردہ امور پر اپنے ایمان کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ پرانا عہد نامہ صرف ایک قومی ادب ہے جس کی آخری شکل ۱۰۰ قبل مسیح میں سامنے آئی۔ نئے عہد نامے کی حیثیت بھی کوئی اس سے بہتر نہیں ہے۔ جوں جوں مسیح کی دوبارہ واپسی کے وعدے کے پورا ہونے میں تاخیر ہوتی گئی جو باتیں لوگوں میں روایتاً مشہور تھیں وہ احاطہ تحریر میں لائی جانے لگیں۔

سر فریڈرک کینین نے اپنی کتاب "بائیبل کی کہانی" میں لکھتے ہیں کہ انجیل کا تصور ہی بہت بعد میں پیدا ہوا ہے۔ یہ بات کہنے سے ان کا مطلب یہ ہے کہ جب انجیل لکھی جانے کا وقت تھا اُس وقت تو کچھ لکھا نہ گیا اور جب بہت سی باتیں یاد سے محو ہو گئیں یا ان میں عقیدت مندی کا مبالغہ بھی شامل ہو گیا تو پھر انجیل لکھی جانے لگی۔

یہ کہ پہلے مسودات ضائع ہو چکے ہیں اس سے تو کوئی عیسائی بھی انکار نہیں کر سکتا لیکن ان مسودات کے ضائع ہونے کے بعد جو کچھ لکھا گیا وہی اگر جوں کا توں رہتا تو شاید اناجیل پر کسی حد تک بھروسہ کیا جا سکتا لیکن عیسائی محققین کھلم کھلا اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ بائیبل کی عبارتوں کو اس حد تک بدلا جا چکا ہے کہ اب یہ کہنا کہ اصل عبارت کہاں سے شروع ہوتی ہے اور ملاوٹ کہاں سے۔ یہ بھی ممکن نہیں رہا۔ اگرچہ اس بات کی ہمیشہ کوشش ہوتی رہی ہے اور آئندہ بھی ہمیشہ ہوتی رہے گی کہ اصل کو نقل سے الگ کیا جائے لیکن کسی صحیح

اور آخری نتیجہ پر کبھی نہ پہنچا جا سکے گا۔ کچھ عرصہ ہوا امریکہ میں جو Yale Divinity School کے Dean Emeritus ہیں کی صدارت میں عیسائی دنیا کے بتیس ۳۲ بہت بڑے عالموں نے بائیبل کا ترجمہ کیا ہے۔ اس میں انہوں نے عبارتوں کی عبارتیں متن سے نکال کر حاشیہ میں ڈال دی ہیں اور اس کی وجہ یہ تحریر کی ہے کہ پرانی مستند کتب میں یہ عبارتیں نہیں ملتیں۔ میں نے نائیجیریا میں ایک دفعہ ایک پبلک جلسہ میں جب یہ کہا کہ بائیبل میں ہمیشہ سے تبدیلی ہوتی چلی آئی ہے تو ایک نوجوان کہنے لگے یہ بات صرف اس حد تک درست ہے کہ زبان بدلتی چلی گئی ہے لیکن معناً کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ میں نے امریکہ کی شائع شدہ بائیبل Revised Standard Version ان کے ہاتھ میں دیکر اُن سے کہا کہ یوحنا انجیل کے آٹھویں باب کی ساتویں آیت پڑھ کر سنائیں؟ انہوں نے بائیبل ہاتھ میں لی اور جھٹ سے یوحنا کی انجیل کا آٹھواں باب نکال کر مطلوبہ آیت پڑھنی چاہی لیکن اب تو یہ باب شروع ہی آیت نمبر ۱۲ سے ہوتا ہے۔ وہ ساتویں آیت کہاں سے پڑھتے۔ اس باب کے آغاز ہی میں ایک سے گیارہ تک کی آیات نہ پاکر وہ بلند آواز سے کہنے لگے۔ یہ بائیبل مسلمانوں نے چھاپی ہوگی جب حقیقتِ حال بتائی گئی تو وہ خاموشی سے پبلک میٹنگ چھوڑ کر چلے گئے۔ حقیقت یہ ہے کہ حاشیہ سے متن میں اور متن سے حاشیہ میں عبارتوں کی تبدیلی کا عمل نہایت شد و مد سے جاری رہا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے علم پاکر جو کچھ اناجیل کے متعلق لکھا تھا۔ وہ عیسائی محققین نے آج حرف بہ حرف صحیح ثابت کر دیا ہے۔ میں یہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں سے چند ایک اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ حضور فرماتے ہیں:-

"افترا کی باتوں پر کیوں تعجب کرنا چاہیئے۔ ایسا بہت کچھ ہوا ہے اور ہوتا ہے۔ عیسائیوں کو آپ اقرار ہے کہ ہم میں سے بہت لوگ ابتدائی زمانوں میں اپنی طرف سے کتابیں بنا کر اور بہت کچھ کمالات اپنے بزرگوں کے ان میں لکھ کر پھر خدائے تعالیٰ کی طرف

ان کو منسوب کرتے رہے ہیں اور دعویٰ کر دیا جاتا تھا کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کتابیں ہیں۔ پس جبکہ قدیم عادت عیسائیوں اور یہودیوں کی یہی جعلسازی چلی آئی ہے تو پھر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ متی وغیرہ انجیلوں کو اس عادت سے کیوں باہر رکھا جائے حالانکہ اس ساہوکار کی طرح جس کا روزنامچہ اور بہی کھاتہ بوجہ صریح تناقض اور مشکوکیت کے پوشیدہ حال کو ظاہر کر رہا ہو۔ ہر چہار انجیلوں سے وہ کارستانی ظاہر ہو رہی ہے جس کو انہوں نے چھپانا چاہا تھا۔ اسی وجہ سے یورپ اور امریکہ میں غور کرنے والوں کی طبیعتوں میں ایک طوفانِ شکوک پیدا ہو گیا ہے۔" (ایک عیسائی کے تین سوالوں کے جوابات صفحہ ۵۴-۵۵)

پھر حضور فرماتے ہیں۔

"اس کی تحقیق کرنا مشکل ہے کہ کب اور کس وقت یہ باتیں انجیلوں میں ملائی گئی ہیں۔ اگرچہ عیسائیوں کا اقرار ہے کہ خود انجیل نویسوں نے یہ باتیں اپنی طرف سے ملا دی ہیں۔ مگر اس عاجز کی دانست میں یہ حاشیے آہستہ آہستہ چڑھے ہیں اور جعلساز مکار پیچھے سے بہت کچھ موقع پاتے رہے ہیں۔ ہاں مستقل طور پر کئی جعلی کتابیں جو الہامی ہونے کے نام سے مشہور ہو گئیں حضرات مسیحوں اور یہودیوں نے اوائل دنوں میں ہی تالیف کر کے شائع کر دی تھیں چنانچہ اس جعلسازی کی برکت سے بجائے ایک انجیل کے بہت سی انجیلیں شائع ہو گئیں۔ عیسائیوں کا خود یہ بیان ہے کہ مسیح کے بعد جعلی انجیلیں کئی تالیف ہوئیں جیسا کہ منجملہ ان کے ایک انجیل برنباس بھی ہے۔ یہ تو عیسائیوں کا بیان ہے مگر میں کہتا ہوں کہ چونکہ ان انجیلوں اور اناجیل اربعہ مروجہ میں بہت کچھ تناقض ہے یہاں تک کہ برنباس کی انجیل مسیح کے مصلوب ہونے سے بھی منکر اور مسئلہ تثلیث سے بھی مخالف اور مسیح کی الوہیت اور ابنیت کو بھی نہیں مانتی اور نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی صریح لفظوں میں بشارت دیتی ہے۔ اب تو عیسائیوں کے اس دعویٰ کے دلیل

کو کیونکر مان لیا جائے کہ ان انجیلوں کو انہوں نے رواج دیا ہے وہ تو سچی ہے اور جو ان کے مخالف ہیں وہ سب جھوٹی ہیں ماسوا اس کے جبکہ عیسائیوں میں جعل کی اس قدر گرم بازاری رہی ہے کہ بعض کامل استادوں نے پوری پوری انجیلیں بھی اپنی طرف سے بنا کر عام طور پر قوم میں انہیں شائع کر دیا اور ذرہ پروں پر پانی پڑنے نہ دیا تو کسی کتاب کا محرف مبدل کرنا ان کے آگے کیا حقیقت رکھتا ہے۔ پھر جبکہ یہ بھی تسلیم کر لیا گیا ہے کہ مسیح کے زمانے میں یہ انجیلیں قلمبند نہیں ہوئیں بلکہ ساٹھ یا ستر برس مسیح کے فوت ہونے کے بعد یا کچھ کم و بیش باختلافِ روایت اناجیلِ اربعہ کا مجموعہ دنیا میں پیدا ہوا تو اس سے ان انجیلوں کی نسبت اور بھی شک پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس کا ثبوت دینا مشکل ہے کہ اس عرصہ تک حواری زندہ رہے ہوں یا ان کی قوتیں قائم رہی ہوں۔ اب ہم سب قصوں کو مختصر کر کے ناظرین کو یہ باور کراتے ہیں کہ اس بات کا عیسائیوں نے ہرگز صفائی سے ثبوت نہیں دیا کہ بارہ انجیلیں تو جعلی ہیں اور وہ چار جن کو رواج دے رہے ہیں جعلی اور تحریف سے مبرّا ہیں بلکہ وہ ان چاروں کی نسبت بھی خود اقرار کرتے ہیں کہ وہ خالص خدا تعالیٰ کا کلام نہیں۔ اور اگر وہ ایسا اقرار بھی نہ کرتے تب بھی انجیلوں کے مغشوش ہونے میں کچھ شک نہیں تھا کیونکہ اس بات کا بارِ ثبوت ان کے ذمہ ہے جس سے آج تک وہ سبکدوش نہیں ہو سکے کہ کیوں دوسری انجیلیں جعلی ہیں اور یہ جعلی نہیں۔" (ایک عیسائی کے تین سوالوں کے جوابات۔ حاشیہ صفحہ ۵۵)

نیز حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔

"اب یہ بھی یاد رہے کہ پادریوں کی مذہبی کتابوں کا ذخیرہ ایک ایسا ردّی ذخیرہ ہے جو نہایت قابلِ شرم ہے وہ لوگ صرف اپنی ہی اٹکل سے بعض کتابوں کو آسمانی ٹھہراتے ہیں اور بعض کو جعلی قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے نزدیک یہ چار انجیلیں

اصلی ہیں اور باقی اناجیل جو چھپن کے قریب ہیں جعلی ہیں مگر محض گمان اور شک کی رُو سے نہ کسی محکم دلیل پر اس خیال کی بنا ہے۔ چونکہ مروّجہ انجیلوں اور دوسری انجیلوں میں بہت تناقض ہے اس لئے اپنے گھر میں ہی یہ فیصلہ کر لیا ہے اور محققین کی یہی رائے ہے کہ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ انجیلیں جعلی ہیں یا وہ جعلی ہیں۔ اس لئے شاہ ایڈورڈ قیصر کی تخت نشینی کی تقریب پر لنڈن کے پادریوں نے وہ تمام کتابیں جن کو وہ لوگ جعلی تصور کرتے ہیں ان چار انجیلوں کے ساتھ ایک ہی جلد میں مجلد کر کے مبارکبادی کے طور پر نذر پیش کی تھیں اور اس مجموعہ کی ایک جلد ہمارے پاس بھی ہے۔" (چشمۂ مسیحی صہ)

نیز حضور فرماتے ہیں:۔

"میں نے یہ بھی اعتراض کیا تھا کہ پادری صاحبان کا ایک بڑا محقق شملہ نام کہتا ہے کہ یوحنا کی انجیل کے سوا باقی تینوں انجیلیں جعلی ہیں اور مشہور فاضل ڈاڈویل ان تحقیقات کے بعد لکھتا ہے کہ دوسری صدی کے وسط تک ان موجودہ چار انجیلوں کا کوئی نشان دنیا میں نہ تھا۔ سیمرل کہتا ہے کہ موجودہ عہدنامہ یعنی انجیلیں نیک نیتی کے بہانے سے مکاری کے ساتھ دوسری صدی کے آخر میں لکھی گئیں اور ایک پادری ریوبیسن نام انگلستان کا رہنے والا کہتا ہے کہ متی کی یونانی انجیل دوسری صدی مسیحی میں ایک ایسے آدمی نے لکھی تھی جو یہودی نہ تھا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس میں بہت سی غلطیاں اس ملک کے جغرافیہ کی بابت اور یہودیوں کی رسومات کی بابت ہے عیسائیوں کے محققین اس بات کے بھی مقر ہیں کہ عیسائی اپنے مذہب کے رُو سے انسانی سوسائٹی میں نہیں رہ سکتا اور نہ تجارت کر سکتا ہے کیونکہ انجیل میں امیر بننے اور کل کی فکر سے منع کر دیا گیا ہے۔" (کتاب البریہ ص۶۸)

اناجیل میں جو تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں یا اب ہو رہی ہیں ان کے متعلق یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ متن میں سے بعض ایسی عبارتیں حذف کر دی گئی ہیں کہ جن پر پہلے عیسائیوں نے اعتقادی اور اخلاقی بنیادیں قائم کی تھیں یا جو حضرت مسیح ناصری کی اخلاقی حالت پر ایک دھبہ سے کم نہ تھیں یہاں تک بائیبل کے متن میں تبدیلیوں کا سوال ہے اس نے رسالہ Time (31.8.1962) کے نامہ نگار نے Out with the old (پرانی باتوں کو نکال باہر کرو) کے عنوان سے لکھا:۔

"یوں معلوم ہوتا ہے کہ بائیبل کے نئے ترجمے ہر سال شائع ہونے شروع ہو گئے ہیں اب ایک بنیادی انگریزی میں بائیبل ہے، ایک نظم میں، ایک وہ جو ایسی نثر میں ہے جسے یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ میرے سامنے ایک بلی (یعنی نہایت سادہ نثر) ایک ریڈرز ڈائجسٹ جیسی انگریزی میں۔ لیکن نیو انگلش بائبل جو برطانیہ کے پروٹسٹنٹ تیار کر رہے ہیں یہ کوئی ایسی ویسی کوشش نہیں ہے بلکہ یہ ایک نہایت سنجیدہ کوشش ہے اس امر کی کہ بالکل صحیح بائیبل لوگوں کے ہاتھوں میں دی جائے۔"

اس رسالہ نے اپنی ۱۰ دسمبر ۱۹۶۵ء کی اشاعت میں لکھا:۔

"یسوع کے سوانح حیات کو تاریخی حیثیت سے ضابطۂ تحریر میں لانے کا مسئلہ اس لئے سب سے زیادہ مشکل ہے (اور یہ مشکل ڈیوڈ فریڈرک سٹراس David Friedric سے لیکر البرٹ شوبیزر تک جوں کی توں رہی ہے) کیونکہ مسیح کے مرکر جی اُٹھنے کی تفاصیل تمام اناجیل میں خاصے اختلاف کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ Bultman تو کہتے ہیں کہ مرکر جی اٹھنا کوئی تاریخی حیثیت نہیں رکھتا۔ شوئیزر نے مسیح کے مرکر جی اٹھنے اور قبر کے خالی ہونے سے صاف انکار کیا ہے۔"

Time ہی نے ۱۹ اکتوبر ۱۹۶۲ء کی اشاعت میں لکھا کہ ہر وہ شخص جو بائبل کا حوالہ دینا

چاہیے اسے ہمیشہ یہ مشورہ دیا جانا چاہیئے کہ حوالہ والی آیت کو کم از کم دو دفعہ چیک کر لے کیونکہ آجکل بائبل کو Revise کرنے کے جوش میں جو ایڈیشن چھپ رہے ہیں ہو سکتا ہے ان میں سے وہ آیت نکال دی گئی ہو۔ گزشتہ ہفتہ بدلتی ہوئی بائبل کے دو مزید ایڈیشن منصۂ شہود پر آئے ہیں۔

نیو انگلش بائبل کے چیئرمین نے ترجموں کے سلسلہ میں ایک نہایت دلچسپ بات کہی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ لوگ متعدد ترجموں سے کچھ پریشان نظر آتے ہیں لیکن ہر سو سال کے بعد زبان میں خاصی تبدیلی آجاتی ہے اور اس تبدیلی کے پیشِ نظر نئے ترجمہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔

جب میں نے یہ بات پڑھی تو مجھے خیال آیا کہ عیسائی تو ایک لمبے عرصہ کے بعد بائبل کی لفظی حفاظت کے لئے ہر سو سال بعد ترجمہ کے قائل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام اور قرآن کریم کی معنوی حفاظت کے لئے گزشتہ چودہ سو سال میں یہ انتظام کئے رکھا ہے کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آتے رہے ہیں۔

میرے اس مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ اوّل تو شروع میں عیسائیوں کو انجیل لکھنے کا خیال ہی نہ آیا تھا جب انجیل لکھی جانے لگی تو ہر کہ و مہ نے اس موضوع پر قلم اٹھانا شروع کر دیا اور مارکیٹ میں بیسیوں انجیلیں آگئیں۔ یہ تمام اناجیل کسی نہ کسی رنگ میں ایک دوسری سے مختلف تھیں اور بعض امور میں واقعاتی طور پر بھی ایک دوسری سے اختلاف رکھتی تھیں۔ چار سو سال تک یہ فیصلہ نہ ہو پایا تھا کہ عیسائیوں کی کتابِ مقدس میں کونسی اناجیل شامل ہوں گی۔ اس غیر یقینی کے علاوہ یہ بات بھی نمایاں رہی کہ ہر انجیل کو دوبارہ اور سہ بارہ لکھتے وقت اس میں کمی یا زیادتی کی گئی۔

اصل مسودات اوائل میں ہی ضائع ہو گئے تھے اس لئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ موجودہ مروجہ اناجیل کس حد تک اصل مسودات سے ملتی ہیں اور کس حد تک مختلف ہیں۔ اناجیل میں تبدیلی کا عمل اس شد و مد سے جاری ہے کہ عیسائی خود حیران ہیں کہ کس ایڈیشن کو رکھیں اور کس کو چھوڑ دیں۔

ان جملہ امور کے پیشِ نظر صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ اناجیل کی تاریخی حیثیت نہایت غیر مستند ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین۔

ناقابلِ فراموش

درج ذیل مضمون محترم ثاقب زیروی ۔ مدیر ہفت نامہ "لاہور" کے ارشاد پر لکھا گیا اور "لاہور" کے ۱۹۶۸ء کے سالنامہ میں اشاعت پذیر ہوا۔ میں محترم ثاقب صاحب کا ممنون ہوں کہ مجھے ناچیز یا میں کارکردگی کے سلسلہ میں بعض باتیں بیان کرنے کا موقع دیا۔

مدیر محترم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ نے اپنے قیامِ مغربی افریقہ کے دوران کی کوئی ناقابلِ فراموش تبلیغی یادداشت تحریر کرنے کا حکم دیا ہے۔ مغربی افریقہ سے واپس آئے آج ساڑھے چار سال ہوتے ہیں مگر ذہن میں وہاں کے بیس سالہ قیام کا ہر واقعہ آج بھی اسی طرح تازہ ہے۔ اور دل میں مسرت کی ایک گدگدی پیدا کرتا ہے۔ دراصل دینِ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کی تبلیغ ایک ایسا اہم اور خوشکن فریضہ ہے کہ اس مصرف میں بیتی ہوئی زندگی کا ہر لمحہ دائمی اطمینان بخش یاد کی صورت اختیار کر لیتا ہے شاید اسی باعث آپکا مکتوب گرامی پڑھتے ہی لوحِ ذہن پر اَن گنت یادیں ابھر آئیں۔ اور رقم ہونے کیلئے پرا باندھ کر کھڑی ہو گئیں۔ لیکن ان سب کا پورا پورا حق ادا کرنے کے لئے تو ایک کتاب کا اہتمام کرنا ہوگا۔ اور ایک عمر درکار ہوگی۔

برادرم! میں نے مغربی افریقہ میں جو بیس سال گزارے وہ میری زندگی کے نہایت بھرپور اور ہنگامی سال تھے۔ یہی وہ عرصہ ہے جس کے دوران اس وسیع و عریض علاقے میں سیاسی۔ تمدنی۔ اقتصادی اور معاشی تبدیلیوں نے کم و بیش انقلاب کی صورت اختیار کر لی۔ اور اللہ تعالےٰ نے اپنے اس ناچیز بندے سے اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں زندگی کے اُن تمام شعبوں میں مقدور بھر خدمات لیں۔ یہ بات میرے لئے خوشیوں کا ایک سرچشمہ ہے کہ اس عرصہ میں تبلیغِ اسلام کا کام محض مسائل کی چھیڑ چھاڑ تک ہی محدود نہ رہا۔ بلکہ ہر بات کی

عملی افادیت نہ صرف پیش کی گئی۔ مقامی لوگوں کے ساتھ ربط وضبط قائم کر کے اس افادیت کو ثابت کو دکھانے کی توفیق بھی ملی۔ اور بعض کام تو اپنے اس بندے سے اس جلیل وقدیر نے ایسے لئے کہ جنہیں وہاں تمام مسلمان فرقوں کی طرف سے غیر معمولی طور پر سراہا گیا اور عیسائیت کے مقابلہ میں بعض مواقع ایسے بھی میسر آئے کہ عیسائی اپنے ذہنی انتشار کا برملا مظاہرہ کرنے پر مجبور ہو گئے۔ جس سے مسلمانانِ مغربی افریقہ کو ایمانی تقویت حاصل ہوئی۔

پہلی رُوحانی اذیت نائیجیریا (مغربی افریقہ) پہنچ کر سب سے پہلے مجھے جس بات سے روحانی اذیت حاصل ہوئی۔ وہ یہ تھی۔ کہ ایک لمبے عرصہ سے عیسائی مشن اپنے سکولوں کے ذریعے مسلمان بچوں کو عیسائی بنا رہے تھے۔ سکول میں داخلہ کا فارم پُر کرتے ہی سب سے پہلے تو یوسف کو جوزف (JOSEPH) بنایا جاتا۔ پھر آخری امتحان سے قبل اُسے بپتسمہ دے کر عیسائی بنا لیا جاتا۔ "لاہور" کے قارئین یہ سن کر حیران ہوں گے۔ کہ

وہاں مسلمانوں کے اپنے سکول نہ ہونے کے باعث بہت بڑی تعداد میں مسلمانوں نے اپنے دلوں پر جبر کر کے اپنے بچوں کو صرف اس لئے ان سکولوں میں داخل کرایا ہوا تھا کہ "چلو عیسائی ہی بن جائیں گے نا۔ مگر انہیں لکھنا پڑھنا تو آجائے گا۔ اور دوسرے سفید پوشوں کی طرح یہ بھی دفاتر میں ملازمت کر کے بابوؤں جیسی زندگی بسر کر سکیں گے۔

۱۹۷۰ء میں وہاں مسلمانوں کے دو چار سکول تھے بھی تو ان کا حال یہ تھا۔ کہ اُن میں دینیات عیسائی پڑھاتے تھے۔ ایک دن جو میں ایک سکول میں گیا۔ تو کیا دیکھتا ہوں۔ کہ ایک عیسائی ٹیچر مسلمان بچوں کو نماز یاد کرا رہا ہے۔ میرے پوچھنے پر کہنے لگا۔ "یہ مجھے کسی نے لکھ کر دے دی ہے میں ان کو یاد کرا رہا ہوں۔" یہ سنتے ہی میری گردن فرطِ ندامت سے میرے گریبان میں دھنس گئی۔

اب ہمارے لئے سب سے پہلا کام یہ تھا۔ کہ یہاں مسلمانوں کے اپنے سکول ہوں۔ اور اُن میں بچوں کی دینی تعلیم کے لئے معلم اور مناسب کتب ہوں۔ اور میرا دل اس فخر واطمینان سے لبریز ہے۔ کہ نائیجیریا کے احمدیہ مشن سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانانِ مغربی افریقہ کے لئے یہ خدمت بڑے ہی اہتمام واحتشام سے لی چنانچہ

آج وہاں سینکڑوں سکول ہیں۔ ان کی لائبریریوں میں دینیات کی کتب کے ذخیرے ہیں۔ اساتذہ کی تیاری کیلئے ایک ٹریننگ کالج ہے ـــــ مجھے خدا کے فضل سے کونسل آف مسلم سکول پروپرائٹرز کے نائب صدر کی حیثیت میں ایک لمبے عرصہ تک تعلیمی خدمت کا موقع ملا۔ میرا دل اپنے نائیجیرین بھائیوں کے محبانہ تعاون کی خوشگوار یاد سے لبریز ہے۔ خاص طور پر اس لئے کہ انہوں نے ایک پاکستانی مسلمان کو اپنا بھائی سمجھ کر پورے انشراح سے میرا ہاتھ بٹایا۔ ورنہ دورِ حاضر کی بڑھتی ہوئی وطن پرستی کی رَو میں تو اپنی سرحدوں سے باہر کا مسلمان بھی اکثر مسلمان وطن پرستوں کی نگاہوں میں نہیں جچتا۔ اس کے علاوہ مجھ سے خدائے عزوجل نے نیشنل سکاؤٹ کونسل میں (جس کا صدر ملک کا گورنر ہوتا ہے) مسلمانوں کے واحد نمائندے یونین آف جرنلسٹس کے وائس پریذیڈنٹ اور براڈ کاسٹنگ کارپوریشن پر مسلم ایڈوائیزری بورڈ کے نمائندے کی حیثیت سے اپنے بھائیوں میں، دینی۔ تعلیمی اور تہذیبی خدمات کے احسن مواقع عطا فرمائے ــــ بعض نہایت ہی اہم اور بنیادی اسلامی پروگراموں میں خاکسار نے سالہا سال تک ریڈیو سے تن تنہا تقریریں نشر کیں ــ جن میں سے ایک پروگرام کا اقتباس دیکر ایک دفعہ ایک امریکن مصنف نے لکھا تھا۔

"یہ ہے اسلام کی حقیقی نمائندگی اور یہ ہے اسلام کی وہ عملی تبلیغ جو غیر مسلموں کو متاثر کرتی ہے۔"

"مسلم کانگریس آف نائیجیریا" کا قیام وہاں کے مسلمانوں کی قومی سطح کی پہلی کوشش تھی۔ جس کے ذریعے نائیجیرین بھائیوں کو یہ احساس ہُوا کہ ـــــ ابھی راستہ بہت لمبا ہے اور منزل دُور ـــــ اس لئے قدم تیز سے تیز تر کر دینا چاہیئے۔

بفضلہٖ تعالیٰ یہ ہیچمداں اس کانگریس کے بانی ارکان میں سے تھا۔ اس کانگریس کی طرف سے حکومت کو مسلمانوں کے حقوق اور مطالبات کے سلسلہ میں ملنے کے لئے جو وفود مرتب ہوتے۔ ان کا ایک رکن ہمیشہ ہی خاکسار رہا۔

تعلیم و تربیت کی اس جدوجہد کا ایک محاذ تحریر تھا۔ چنانچہ برسوں ایک وقت تین تین

اخبارات میں ہر ہفتے اسلامی فیچر لکھ کر اسلام کا پیغام نور کی پیاسی دنیا تک پہنچایا۔ اور مقالات کے ذریعہ "اسلام کی تعلیم" ــــ اس کی دوسرے مذاہب پر برتری" اور "رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیروی میں برکات" کا ملک کے کونے کونے میں چرچا کیا ــــ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے تبلیغی مشن کو ایک اپنا ہفت نامہ "ٹروتھ" (TRUTH) ــــ جاری کرنے کی توفیق عطا فرما دی ــــ جسکی ادارت بارہ سال تک اسی ناچیز کے ہاتھ میں رہی۔ اور جس نے بہت جلد تثلیث کیلئے ایک تیغِ براں کی حیثیت اختیار کر لی۔

اللہ اللہ ٹروتھ (TRUTH) کا دشمنانِ اسلام پر رعب کہ ایک دشمنِ اسلام جریدہ جو دینِ حق کی مخالفت میں بہت پیش پیش تھا۔ ٹروتھ کے پے بہ پے اسلامی حملوں سے اس کی اوچھی مخالفت کا اس کے قارئین پر راز اس طرح آشکار ہوا۔ کہ اس کے بیشتر سرپرستوں نے اس سے منہ پھیر لیا۔ حتیٰ کہ اُسے اپنی بساط لپیٹتے ہی بنی۔

ٹروتھ نے مسلمانوں کی عظیم و وقیع مملکت پاکستان کو نائیجیریا میں روشناس کرانے میں بھی نمایاں رول ادا کیا۔ چنانچہ تعارف و دفاعِ پاکستان میں لکھے جانے والے میرے ان مقالات کا ایک مجموعہ تو "پاکستان کے دفاع میں" ــــ ("اِن ڈیفنس آف پاکستان") کے نام سے شائع بھی ہو چکا ہے۔ آج ان گزرے ہوئے بیس سالوں پر دل ہی دل میں نظر دوڑاتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے یہ ایک جنگ تھی جسے خدائے بزرگ و برتر کا یہ ناچیز بندہ اس کی عطا کردہ توفیق سے تن تنہا لڑتا رہا۔ اور کامگار ہوا ــــ!

برادرِ مکرم! ــــ تبلیغ ہرگز کوئی آسان کھیل نہیں ہے اور افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں تو بعض مقامات پر جان جوکھوں کا کام بھی ہے مگر وارفتگانِ اسلام کو مژدہ کہ ایک اولوالعزم کی نیم شبی دعاؤں مخلصانہ مساعی کے طفیل (اللہ تعالیٰ اسے کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے) اب یہ راہ بڑی حد تک آسان ہو چکی ہے بیشتر نوکیلے کانٹے چنے اور بھاری پتھر اٹھا کر پرے پھینکے جا چکے ہیں۔ اب تو عیسائیت کے مناد، مبشرین اسلام کا نام سن کر میدانِ مناظرہ سے دم دبا کر بھاگنے لگے ہیں ــــ کبھی فرصت میسر آئی تو مغربی افریقہ سے عیسائیت کے اکھڑتے ہوئے خیمے کی عبرت آفریں داستان بھی رقم کروں گا!

غیر ممالک میں احمدی اردو کی ترویج و اشاعت میں کیا حصہ لے رہے ہیں

تعلیم الاسلام کالج۔ ربوہ۔ نے ۱۹۶۴ء میں ایک کُل پاکستان اردو کانفرنس کا انعقاد کیا تھا۔ مجلس استقبالیہ کے معتمد ڈاکٹر ناصر احمد پرواز تھے۔ خطبۂ استقبالیہ پرنسپل صاحب محترم مرزا ناصر احمد صاحب نے پڑھا اور خطبہ افتتاح وزیر آغا ایم اے پی ایچ ڈی نے۔

پیغامات اختر حسین۔ صدر انجمن ترقی اردو پاکستان اور اشتیاق حسین قریشی وائس چانسلر۔ کراچی یونیورسٹی۔ کراچی نے بھجوائے۔

حضرت امام جماعت احمدیہ الثانی کا ایک مضمون جو "ادبی دنیا" میں ۱۹۳۱ء میں شائع ہوا تھا پڑھ کر سنایا گیا۔

مقالے وزیر آغا۔ سہیل بخاری۔ وحید قریشی۔ سجاد باقر رضوی۔ ممتاز حسین اور خاکسار (نسیم سیفی) نے پیش کئے۔ خاکسار کا مقالہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

۱۹۵۰ء میں میں نائیجیریا مغربی افریقہ سے پاکستان واپس آ رہا تھا۔ رستے میں عدن میں مجھے چند روز قیام کرنے کا موقع ملا۔ وہاں میرے میزبان ڈاکٹر بشیری صاحب مرحوم تھے۔ جو احمدیہ جماعت کے ایک نہایت مخلص اور سرگرم کارکن تھے۔ سیاسی حلقوں میں بھی ان کی اچھی خاصی رسائی تھی۔ جس روز میں عدن پہنچا ہوں اس سے اگلے ہی دن مجھے ایک دوست شیخ محمد عبداللہ صاحب سے جو ان دنوں وہاں کی حکومت کے ایک

نہایت معزز عہدیدار تھے، ملانے کے لئے لے گئے۔ شیخ صاحب سے ابھی گفتگو بھی شروع نہ ہوئی تھی کہ ڈاکٹر بشیری صاحب کہنے لگے سیفی صاحب ہماری جماعت کے مبلغ ہیں اور شاعر بھی۔ اور پھر میری طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے سیفی صاحب شیخ صاحب کو کوئی نظم سنائیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں یہ بات سن کر ہکا بکا رہ گیا۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ میں شعر کہتا ہوں لیکن نہ صرف یہ کہ میں مشاعروں کا شاعر نہیں بلکہ اگر صرف یار و احباب ہی کی مجلس ہو تو پھر بھی مجھے شعر سنانے میں ہچکچاہٹ محسوس ہوتی ہے۔ مجھے ہمیشہ اپنے متعلق اس بات کا احساس رہتا ہے کہ میں ایک غیر شاعر شاعر ہوں لیکن یہاں ایک طرف تو ڈاکٹر بشیری صاحب جو میرے میزبان تھے اور نہایت ہی مہربان میزبان اور دوسری طرف شیخ محمد عبداللہ صاحب جن کے بشیری صاحب سے بہت ہی اچھے تعلقات تھے۔ میں نے انتہائی استعجاب اور حیرت کے باوجود اپنے ہینڈ بیگ میں سے ایک نوٹ بک نکالی اور چند اشعار ان کی خدمت میں پیش کر دیئے۔

یہ واقعہ بذاتِ خود کسی اہمیت کا حامل نہیں لیکن میرے مقالہ کا عنوان ہے بیرونی ممالک میں احمدیہ جماعت اردو کی کیا خدمات سرانجام دے رہی ہے اور یہ واقعہ میرے موضوعِ سخن کو تصویری رنگ میں پیش کرنے کی بہترین مثال کہا جا سکتا ہے۔

ہمارے پاکستانی احمدی دوست جہاں بھی ہیں اردو کے ساتھ نہ صرف رابطہ قائم رکھتے ہیں بلکہ اسے فروغ دینے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے جس واقعہ کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے اس سے مکرم ڈاکٹر بشیری صاحب کے اردو کے ساتھ لگاؤ کا پتہ چلتا ہے۔ لیکن دو چار روز ہی کے بعد وہ اس سے بھی ایک قدم آگے نکل گئے۔ اور عدن میں باقاعدہ ایک مشاعرہ کروا دیا گیا۔

بشیری صاحب اس مشاعرہ کی روحِ رواں تھے۔ خود بھی شعر کہتے تھے اور بہت اچھا شعر کہنے والے تھے۔ اس کے بعد گاہے بگاہے ایسے مشاعرے ہوتے رہے اور اب تو عدن میں باقاعدہ مشاعرے ہوتے ہیں۔ میں اس سال نائیجیریا سے دوبارہ واپس آتے ہوئے عدن ٹھہرا تو مجھے پتہ چلا کہ اب مشاعرے نہایت باقاعدگی کے ساتھ ہوتے ہیں اور ہماری جماعت کے دوست

ان میں کافی دلچسپی لیتے ہیں۔

عدن میں تو مشاعرے غالباً اس لئے بھی باقاعدگی کے ساتھ ہوتے ہیں کہ عدن پاکستان سے بہت ہی قریب ہے۔ لیکن لندن میں بھی باقاعدہ مشاعرے ہوتے ہیں اور وہاں بھی ہماری جماعت کے دوستوں نے میری ان مشاعروں کی طرف رہنمائی کی۔ جبکہ ہمارے مبلغین ہی مجھے ان مشاعروں میں لے جاتے رہے۔ اور میں نے دیکھا کہ وہاں بھی ہمارے مبلغین ان مشاعروں کے انعقاد میں نہایت دلچسپی سے حصہ لیتے ہیں۔

اگرچہ ان مشاعروں کا معیار تو بہت زیادہ بلند نہیں لیکن پاکستان سے ہزاروں میل دور اردو زبان میں دلچسپی قائم رکھنے کا ایک ذریعہ تو ہیں۔ میں نے ایسے ہی ایک مشاعرہ پر ایک نظم پڑھی تو اس کے اگلے روز مجلس مشاعرہ کے سیکرٹری صاحب نے مجھے ٹیلیفون پر پوچھا کہ اس نظم کا مطلب کیا تھا۔ کہنے لگے کہ میں روداد لکھ رہا ہوں اور مجھے اس نظم کے متعلق کچھ ذرا تفصیل سے لکھنا ہے۔ دراصل اس نظم میں جس خیال کو پیش کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک سپاہی جنگ پر جاتے وقت گھر سے نکلتے ہی اپنی رفیقۂ حیات کے متعلق سوچنے لگتا ہے اور اس کی خیالی تصویر اس کے ذہن میں رقص کرنے لگتی ہے۔ اس طرح لندن ہی میں یوم اقبال پر پاکستان ہائی کمیشن نے ایک مشاعرہ منعقد کیا۔ میں تو لندن میں اپنے مشن کا مہمان ہی تھا کیونکہ میری منزل نائیجیریا تھی اور لندن میں عارضی قیام تھا۔ وہاں بھی مجھے ہمارے مشن کے مبلغ ہی اپنے ساتھ لے کر گئے۔ اور اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مشاعروں میں شرکت کرنا یقیناً ایک رنگ میں اردو زبان کی خدمت کرنا ہے۔ اس موقعہ پر میں نے علامہ اقبال مرحوم پر ایک نظم کہہ لی تھی جو وہاں پیش کی گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ آج سے بیس سال قبل جب میں نائیجیریا میں تبلیغ اسلام کے لئے جانے کی تیاری کر رہا تھا تو میرے بعض کرم فرماؤں کا خیال تھا کہ مجھے وہاں بھیجنے کا کیا مطلب ہے ایسے ہی کرم فرماؤں میں سے ایک سردار دیوان سنگھ صاحب مفتون تھے۔ انہوں نے اپنی کتاب "ناقابل فراموش"

میں میرے متعلق مندرجہ ذیل الفاظ تحریر کئے ہیں جو میں سمجھتا ہوں کہ موضوع کے لحاظ سے آپ حضرات کی دلچسپی کا باعث ہونگے۔

" تبادلۂ آبادی سے پہلے ایک احمدی نوجوان گورنمنٹ آف انڈیا کے دفتر میں سرکاری ملازم تھے۔ جن کا نام نسیم سیفی تھا۔ یہ وہاں اڑھائی تین سو روپیہ ماہوار تنخواہ پاتے تھے اور ہفتہ میں ایک دو بار دفتر ریاست میں ضرور تشریف لاتے کیونکہ ان کی نظمیں ریاست میں شائع ہوتیں یہ بہت اچھی نظمیں کہتے تھے اور میرا یقین تھا کہ ان کا مستقبل بطور ایک شاعر کے بہت ہی شاندار ہے چند ماہ یہ دفتر ریاست میں آتے رہے تو اس کے بعد آپ نے ایک روز فرمایا کہ اب سرکاری ملازمت ترک کر کے افریقہ جا رہے ہیں اور وہاں یہ بطور ایک احمدی مبلغ کے اسلام کی تبلیغ کریں گے میں نے پوچھا کہ وہاں کیا تنخواہ ملے گی تو انہوں نے بتایا کہ ساٹھ روپیہ ماہوار۔ ان کے اس جواب کو سن کر میں نے ان سے کہا کہ تم بہت ہی بے وقوف ہو جو اڑھائی تین سو روپیہ ماہوار کی مستقل سرکاری ملازمت چھوڑ کر ساٹھ روپیہ ماہوار کی غیر سرکاری ملازمت اختیار کر رہے ہو مجھے اب تک یاد ہے میرا جواب سن کر یہ مسکرا دیئے اور غالباً اسی ہفتہ یہ ملازمت چھوڑ کر افریقہ چلے گئے۔ ان مسٹر نسیم سیفی سے اس کے بعد کبھی ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ اور پندرہ سولہ برس تو ان کا کوئی خط بھی نہیں ملا اور مجھے یہ علم بھی نہیں کہ آجکل کہاں ہیں مگر یہ واقعہ ہے کہ جب بھی کوئی احمدی مجھ سے ملتا ہے تو میں اس سے ان کی خیریت کے متعلق دریافت کر لیتا ہوں۔ اور میرے دل میں اس شخص کے لئے نہ صرف انتہائی عزت و احترام بلکہ کچھ محبت کے جذبات بھی موجود ہیں اور میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کی قربانی کی سپرٹ افریقہ میں کتنے لوگوں کو احمدیوں کے حلقہ میں لانے کا باعث بنی ہوگی۔"

بہرحال یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مجھے ایک لمبے عرصہ تک تبلیغ اسلام کا موقعہ ملا ہے اس کے ساتھ ہی پاکستان اور اردو کی بھی کسی نہ کسی رنگ میں خدمت کا موقعہ ملتا رہا ہے۔ پاکستان کی آزادی کے معاً بعد نائیجیریا میں ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ وہاں کی ایک

سیاسی پارٹی نے پاکستان کے لفظ کو بُرے معنوں میں استعمال کرنا شروع کر دیا بلکہ ایک انٹی پاکستان موومنٹ نے بھی وہاں جنم لے لیا۔ ان حالات میں مجھے سالہا سال تک پاکستان کے نظریہ کو واضح کرنے کے لئے اور لوگوں کے خیالات کو درست کرنے کے لئے اخباروں میں مضامین لکھنے پڑے۔ ایسوسی ایشن آف ورلڈ افیئرز سٹوڈنٹس کے پلیٹ فارم سے میں نے " ہندوستان کا ماضی اور حال " کے عنوان پر تقریر کی۔ ریڈیو پر " پاکستان میں زندگی " کے عنوان پر ایک تقریر نشر کی۔ اخبارات میں " ہندوستان میں دو قوموں کا نظریہ " کے عنوان سے خاصے طویل مضمون لکھے اسی طرح " مسلمانوں کی خدمات " پر بھی ایک مضمون لکھا۔ ان کے علاوہ ایک اخبار میں اردو کے متعلق بعض غلط باتیں شائع ہو گئی تھیں ان کی درستی اخبار ہی کے ذریعہ کروائی۔ یہ تمام مضامین ایسے ہیں جن میں اردو کا زیر بحث آنا لازمی تھا۔ چنانچہ اس طرح لوگوں کو اردو سے روشناس کروایا۔ پاکستان کے متعلق تو میں نے اپنے مضامین۔ اخباروں کے ایڈیٹوریل اور قارئین کے خطوط پر مشتمل ایک کتاب بھی مرتب کی ہے جس کا نام ہے

" اِن ڈیفنس آف پاکستان "

حضرات جہاں تک اُردو کی خدمت کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ جن باتوں سے یہ فریضہ سرانجام دیا جا سکتا ہے وہ یہ ہیں :-

(۱) زبان کو قائم رکھنا۔ اور بیرونی ممالک میں اس کا مطلب یہ ہوگا کہ زبان کا بولنا۔ پڑھنا اور لکھنا کسی نہ کسی رنگ میں جاری رکھنا

(۲) زبان کی تعلیم دینا یعنی بیرونی لوگوں کو زبان سے روشناس کرانے کیلئے اردو زبان سکھانا۔

(۳) اس زبان میں مضامین لکھنا یا شعر کہنا۔ بیرونی ممالک میں یہ بات نہایت محدود طریق پر ہی میسر آسکتی ہے لیکن بہرحال جہاں بھی میسر آسکے وہاں اس سے فائدہ اٹھانا اردو کی خدمت ہی کے ضمن میں شامل ہوگا۔

(۴) اچھے نثر نگاروں یا شعراء کا لوگوں سے تعارف کرانا

(۵) اردو کی کتابوں کی ترویج۔

(۶) لائبریریاں قائم کرنا۔

(۷) مذاکرات یا مشاعرے منعقد کرنے۔

بے شک ان باتوں کے علاوہ بھی کئی ایک ایسی باتیں ہیں جو خدمت اردو کے پروگرام میں شامل کی جاسکتی ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جو باتیں میں نے پیش کی ہیں یہ اس سلسلہ کی سب سے اہم کڑیاں ہیں۔

میں نے اب تک جو کچھ کہا ہے اس سے بیرونی ممالک میں اپنی جماعت کے ممبروں کی مشاعروں میں دلچسپی کا اظہار کرنا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہماری جماعت کے افراد صرف اور صرف مشاعروں ہی میں شمولیت کرتے ہیں اور ان کی اردو کی خدمت کی پونجی صرف یہی ہے۔ ہمارے بڑے مشن اردو کی کلاسیں جاری کرتے ہیں۔ چنانچہ میں نے خود نائیجیریا میں اردو کی کلاس جاری کی اور اگرچہ یہ کلاس بہت عرصہ تک تو جاری نہ رکھی جاسکی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس کا نہایت خوشگوار اثر پڑا۔ اور کم از کم وہ لوگ جو اس کلاس میں شامل ہوئے ذہنی طور پر پاکستان کے زیادہ قریب ہو گئے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ غانا میں بھی اکا دکا لوگوں کو ہمارے مبلغین اردو پڑھاتے ہیں۔

جہاں تک اُردو کے اچھے مصنفین اور شعراء کا بیرونی ممالک کے لوگوں سے تعارف کا تعلق ہے۔ ہمارے بہت سے مشنوں میں جو اُردو کے جدید شاعروں کی نظموں کا انگریزی ترجمہ ہے اور صوفی عبدالقدیر نیاز کی کوششوں کا مرہون منت ہے ہمارے مبلغین نے اپنے اپنے ملک کے ادیبوں اور شعراء کو تحفتاً دیا۔ میں نے خود نائیجیریا میں بعض ادیبوں کو یہ ترجمہ دیا اور اس کا نہایت ہی اچھا اثر ہوا۔

لیکن اس سے بھی زیادہ جو چیز بیرونی ممالک کے لوگوں کو اُردو کے مصنفین سے روشناس کراتی ہے اور ان کو اردو اور پاکستان کے قریب لاتی ہے وہ ہے احمدیہ لٹریچر۔

ہمارے بانیٔ سلسلہ حضرت احمد علیہ السلام کی اکثر تصانیف اردو میں ہیں اور بیرونِ ممالک میں نہ صرف ہماری جماعت کے افراد بلکہ دوسرے ایسے لوگ بھی جو احمدیہ جماعت کے متعلق مزید واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں اور اگرچہ اردو تو وہ لوگ نہیں پڑھ سکتے لیکن جب ان کتابوں یا ان کتابوں کے بعض حصوں کا انگریزی ترجمہ پڑھتے ہیں تو انہیں اس بات کا بھی احساس ہوتا ہے کہ یہ اردو زبان کا ترجمہ کیا ہوا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بیرونی ممالک اردو کی سب سے بڑی خدمت تو اردو لٹریچر کو بیرونی ممالک کی زبانوں میں ترجمہ کرکے ہی کی جاسکتی ہے۔ اس سلسلہ میں ہماری جماعت ایک منفرد حیثیت کی مالک ہے کیونکہ ہماری سب سے بڑی خواہش یہ رہتی ہے کہ حضرت احمد علیہ السلام کی تصانیف کو لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس زمانے میں حقیقی اسلام کو پیش کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ ہے حضرت احمد علیہ السلام کی کتب۔ اور یہ لوگ جو اسلام کی خدمت کے لئے باہر جاتے ہیں حضرت اقدس کی کتب کے ترجمے ہی لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ یہ ایک نہایت ہی وسیع میدان ہے۔ اردو کی خدمت کی ہم نے لوگوں کے دلوں میں ایک لگن لگا دی ہے کہ حضرت احمد علیہ السلام کی جملہ کتب کے بیرونی ممالک کی زبانوں میں جلد از جلد ترجمہ ہونا چاہیئے۔ جس قدر زیادہ ان کتب کا ترجمہ ہوتا چلا جا رہا ہے اتنا ہی زیادہ بیرونی ممالک کے لوگ اردو سے روشناس ہوتے جا رہے ہیں بلکہ ترجمے پڑھ کر ان کے دل میں تڑپ پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ اصل کتاب بھی پڑھنے کے قابل ہو جائیں تو اچھا ہے۔ چنانچہ میں یہ کہتے ہوئے ایک گونہ خوشی اور فخر محسوس کرتا ہوں کہ دنیا میں صرف اور صرف ہمارا ہی ایک مرکز ہے جس نے دنیا بھر میں اُردو کی خدمت کے سامان مہیا کئے ہیں۔ اور وہ اس طرح کہ ربوہ میں جامعہ احمدیہ کے زیرِ اہتمام اردو کا ایک الگ شعبہ قائم ہے جہاں بیرون ممالک کے طلباء کو اردو پڑھائی جاتی ہے۔ اردو کی اس کلاس میں یورپ کے مختلف ممالک کے لوگ، چین کے لوگ۔ انڈونیشیا کے لوگ۔ مشرقی اور جنوبی افریقہ کے

لوگ ، امریکہ کے لوگ ۔ غرضیکہ دنیا کے ہر علاقے کے لوگ اُردو کی تعلیم پاتے ہیں یا پا رہے ہیں۔
یہ بات کہتے ہوئے میں اس لئے بھی خوشی محسوس کرتا ہوں کہ بیرون ممالک کے لوگوں کو اردو کی تعلیم کا کام جامعہ احمدیہ میں میرے والد بزرگوار کے سپرد ہے اور باوجود اس کے کہ وہ ساری عمر سکولوں میں پڑھانے ہی کا کام کرتے رہے ہیں ان کے لئے تعلیم و تعلم کا حاصل زندگی اُردو اور اسلام کی یہ خدمت ہے جو وہ اب سرانجام دے رہے ہیں اور جب ان کے طلبار اپنے ممالک میں واپس جا کر اردو میں خط لکھتے ہیں تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہتی ۔

اگر آپ مغربی افریقہ میں بیٹھے ہوں اور وہاں کے ایک باشندے سے اُردو میں باتیں کر رہے ہوں یعنی وہ بھی اردو ہی میں آپ سے بات کر رہا ہو تو آپ کو ایک لازوال خوشی حاصل ہوگی۔

مجھے بارہا یہ خوشی حاصل ہوتی ہے ۔ کیونکہ وہاں کے ایک ہونہار طالب علم یہاں سے اردو پڑھ کر گئے ہیں ۔ اور اب خدا کے فضل سے نہایت شُستہ اُردو میں گفتگو کرتے ہیں ۔ اور پاکستانی دوستوں کو خط بھی اردو زبان ہی میں لکھتے ہیں ۔

ہماری جماعت کی یہ خدمت جس کا سرچشمہ تو مرکز میں ہے ۔ لیکن جس کا سہرا بیرونی جماعتوں کے سر بھی ہے ۔ ایک ایسی خدمت ہے جو ہماری جماعت کو باقی ہر ایسے ادارے سے جو اُردو کی خدمت کر رہا ہے ممتاز کر دیتی ہے ۔ اور یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ ہماری ان حقیر خدمات کو اُردو کے بہی خواہ نیک نیتی سے سراہتے بھی ہیں ۔ بیرونی ممالک میں ہماری جماعت کی خدمات کا تو غالباً بہت سے لوگوں کو کوئی علم نہیں ۔ لیکن ہندو پاکستان کے متعلق انجمن ترقی اردو پاکستان کے میگزین قومی زبان کے مدیر مشفق خواجہ صاحب کے یہ الفاظ پڑھ کر مجھے بے حد خوشی ہوئی ۔ آپ نے ہماری جماعت کے ایک ادارے کی طرف سے شائع ہونے والے ایک مجلہ کے متعلق اس مجلہ کے مدیر کو خط لکھا ۔ تو اس میں یہ بھی فرمایا "ایک بات

مجھے اور عرض کرنی ہے ۔ بابائے اردو مرحوم اکثر کہا کرتے تھے کہ جماعت احمدیہ نے اردو زبان کی جس قدر خدمت کی ہے ۔ وہ کسی دوسری جماعت نے نہیں کی ۔ ان کا ارادہ تھا کہ جماعت احمدیہ اور اردو کے عنوان سے ایک مقالہ لکھوایا جائے گا"

اُردو کی خدمت کے سلسلہ میں ایک اور بات جس میں ہماری جماعت دوسرے تمام اداروں سے ممتاز ہے یہ ہے کہ ہم نے دنیا کے سو سوا سو بڑے بڑے شہروں میں اردو کی لائبریریاں قائم کر دی ہیں ۔ اور ان لائبریریوں میں سینکڑوں کی تعداد میں اردو کی کتابیں موجود ہیں ۔ یہ تمام لائبریریاں ہمارے مشنوں کے ساتھ ملحق ہیں ۔ اور ہر وہ شخص جو ان لائبریریوں سے فائدہ اٹھانا چاہے اس کے لئے یہ لائبریریاں ہر وقت کھلی رہتی ہیں ۔ حقیقت تو یہ ہے ۔ کہ ہم ہر وقت اس کوشش میں رہتے ہیں ۔ کہ لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں ان لائبریریوں سے فائدہ اٹھا سکیں ۔ لیکن جیسا کہ یہ بات ظاہر ہے فی الحال ان لائبریریوں سے صرف مستشرق ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں ۔ اور ان کی تعداد بہت ہی کم ہے ۔ لیکن حضرات کیا یہ بات اپنی ذات میں ایک خاص اہمیت کی حامل نہیں کہ اردو زبان کی لائبریریاں دنیا کے بڑے بڑے شہروں میں قائم کر دی جائیں ۔ کسی زبان کی کتابوں کی لائبریری قائم کر دینا غالباً اس زبان کی سب سے بڑی خدمت ہوتی ہے ۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا احسان ہے ۔ کہ اس نے ہماری جماعت کو اس بات کی توفیق دی ہے کہ ہم نے بیرونی ممالک میں اردو کی کتابیں مہیا کی ہیں ۔ اور ان کی لائبریریاں قائم کر دی ہیں۔

میں اپنے ان مشنوں کا ذکر کئے بغیر اس مقالہ کو ختم نہیں کر سکتا جو اپنے اپنے ملکوں میں اردو جاننے والوں کے لئے اردو زبان میں نیوز بلیٹن جاری کرتے ہیں ۔ ایسے مشنوں میں مشرقی افریقہ اور فجی کے جزائر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں ۔

زبان کو زندہ رکھنے اور ترویج دینے کے لئے اخبارات یا بلیٹن کی اشاعت ایک اہم کردار ادا کرتی ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت کے بیرونی مشنوں میں بعض کو یہ خدمات بجا لانے کی بھی توفیق مل رہی ہے ۔

الغرض ہماری جماعت نے نہ صرف ہندوپاکستان میں اردو کی خدمت کی ہے۔ بلکہ بیرونی ممالک میں بھی ہر رنگ میں اردو زبان کو قائم رکھنے اور لوگوں سے روشناس کرانے اور اس کی مزید ترقیات کے دروازے کھولنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے۔ اور ہم اس کا جتنا بھی شکریہ ادا کریں کم ہے۔

مَیں آپ حضرات کا بھی ممنون ہوں۔ کہ آپ نے میری گذارشات کو نہایت صبر اور خندہ پیشانی سے سنا ہے۔ جزاکم اللہ

سیفیات

کہتے ہیں احتیاط علاج سے بہتر ہے۔ جس کا عام طور مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ اگر انسان اپنی زندگی کے رہن سہن میں احتیاط برتے تو یا تو بیمار ہو گا ہی نہیں یا بہت کم بیمار ہو گا۔ بہرحال جب بیمار ہو جاتا ہے تو اسے علاج کروانا پڑتا ہے۔ اور علاج پر محنت بھی لگتی ہے اور روپیہ بھی لگتا ہے۔ لیکن اگر احتیاط کرتا اور اسے علاج کروانے کی ضرورت پیش نہ آتی تو بغیر کسی لاگت کے وہ اس مصیبت سے بچ جاتا۔ لیکن احتیاط صرف علاج کے سلسلے میں نہیں بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ آپ جو کام بھی کرتے ہیں۔ اس میں احتیاط برتیں۔ دوسروں سے برتاؤ کرتے ہیں اس میں بھی احتیاط برتیں۔ کیونکہ دیکھا یہ گیا ہے کہ ہر شخص اپنے کام میں ایسے ایسے طریقے نکال لیتا ہے کہ دوسرا آدمی بغیر سمجھے بغیر جانے اس کا شکار ہو جاتا ہے۔ احتیاط تو وہ کرنی چاہتا ہے لیکن اسے اس بات کا علم نہیں ہوتا کہ کہاں کہاں اس کو دھوکا دیا جا سکتا ہے۔

ایک ڈاکٹر صاحب نے ہمیں بتایا کہ کسی شخص کے گردے میں کہتے تھے پتھری ہے اور پتھری کا علاج کرنے کے لئے اس کو سٹریچر پر ڈال کر اپریشن تھیٹر میں لے گئے اب جو شخص اپریشن تھیٹر میں لے کر گیا تھا۔ اسے گھر جانے کی جلدی تھی وہ کچھ دیر تو انتظار کرتا رہا لیکن جب اس نے دیکھا کہ اپریشن میں دیر ہو رہی ہے تو اس نے ایک ہلکی سی پتھری اٹھائی صاف کر کے روئی میں رکھی اور مریض کے جو رشتہ دار باہر بیٹھے تھے ان کے پاس لے گیا اور کہنے لگا خدا کا شکر ہے کہ اپریشن کامیاب ہو گیا ہے۔ اور انہوں نے خوش ہو کر اسے کچھ انعام بھی دیا۔ لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد ایسا ہوا کہ اس مریض کو سٹریچر پر باہر لائے اور انہوں نے اس کے ساتھ آنے والے رشتہ داروں کو بتایا کہ پتھری گردے میں نہیں تھی۔ وہ کہنے لگے عجیب بات ہے آپ نے تو نکال کر پتھری ہمیں بھیج بھی دی۔ یہ دیکھئے یہ پتھری ہے۔ ڈاکٹر صاحب بڑے حیران ہوئے کہ یہ کسی نے کیا کیا۔

دراصل وہ اپنے فن میں ماہر تھا۔ اس نے کہا کہ ان بیچاروں کو کیا پتہ ہے کہ پتھری کیسی ہوتی ہے کب نکلتی ہے کیا کرتے ہیں اس کو۔ اس نے ایک چھوٹی سی پتھری اٹھائی اور اس کو صاف کر کے اسے روئی میں رکھ کر ان کے حوالے کر دیا۔ اور ان سے بخشیش بھی لے لی اور دعائیں بھی لے لیں۔ اور وہ واقعی انتہائی طور پر اس کے ممنون ہوئے کہ اس نے نکلنے والی پتھری فوری طور پر لا کے انہیں دکھا دی ہے۔

اب دیکھئے آپ اس میں کیا احتیاط کر سکتے تھے۔ احتیاط یہی کر سکتے ہیں کہ وہ لوگ جو اس کام پر فائز ہیں ان سے پوچھئے۔ یہ آدمی جو سٹریچر لے کر جانے والا تھا انہوں نے اسے پتھری کیوں دینی تھی کہ لے جاؤ۔ اور انہیں دے دو۔ ایسا تو کبھی نہیں ہوتا کہ ڈاکٹر گردے سے یا پتے سے پتھری نکالے اور وہاں جو لوگ ان کے ساتھ کام کرنے والے ہوتے ہیں ان کو دے دے کہ لے جاؤ اور اس کے رشتہ داروں کو دے دو۔ ایسا بھی نہیں

ہوتا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ عام طور پر لوگوں کو پتہ نہیں کہ ایسا ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا۔

بہر حال یہاں بھی یہی کہا جا سکتا ہے کہ احتیاط لازم ہے۔ آپ صرف اس شخص سے بات کریں جو ذمہ دار افسر ہے جس شخص نے یہ کام کرنا ہے۔ اس سے پوچھیں کیا ہو رہا ہے۔ کس طرح ہو رہا ہے۔ اور کب تک یہ کام ختم ہو جائے گا۔ اور اس کا نتیجہ کیا نکلا ہے۔ اگر آپ کسی دوسرے شخص سے پوچھیں گے یا کوئی دوسرا شخص آکر آپ کو بتائے گا تو یقیناً وہ کوئی غلط بات کہے گا۔ اور اس غلط بات کو صرف احتیاط ہی کے ذریعے روکا جا سکتا ہے۔

پس دیکھا آپ نے احتیاط ضروری ہے اسی طرح ابھی ڈاکٹر صاحب نے ایک اور شخص کا بتایا کہ کہا جاتا تھا کہ اس کا اپنڈکس نکالنا ہے۔ اپنڈکس نکالنے کے لئے اس مریض کو بے ہوش کر دیا گیا۔ اور تھوڑا سا چیرا دے کر اسے سی دیا گیا۔ اور بتا دیا گیا کہ اپنڈکس نکل گیا ہے۔ اب یہاں درد نہیں ہو سکتا۔ کچھ عرصے کے بعد پھر درد ہوا۔ تو ایک اور ڈاکٹر نے جب وہاں اپریشن کیا تو اپنڈکس ویسے ہی موجود تھا۔ اب اس میں کوئی احتیاط کیا کرے۔ پہلے ڈاکٹر نے جو کیا کہ وہ کسی کو کیا معلوم کہ غلط یا درست ہے مریض کے تیماردار کس طرح اس بات کو سمجھ سکتے ہیں کہ اپنڈکس نکل گیا ہے یا نہیں نکل گیا ہے۔ لیکن بہر حال اس نے اپنڈکس نکالا نہیں تھا۔ اور ایسے ہی ذرا سا کٹ دے کر اس پر ٹانکے لگا دئے تھے اور کہہ دیا تھا کہ یہاں سے اپنڈکس نکال دیا گیا ہے۔ بعد میں پتہ چلا کہ اپنڈکس تو موجود ہے اور اسی سے پھر درد ہوا ہے اور اس درد کے بعد اپریشن کرنے پر اپنڈکس نکالا گیا ہے۔

اب آپ بتائیے کہ احتیاط کس طرح کی جائے یہ وہ مقام ہے جہاں پر احتیاط کی ضرورت کے باوجود دعا کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ رہنمائی کرے تو بات ٹھیک ٹھاک ہو جائے گی۔ ورنہ کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی منفی آپ کو ایسی راہ پر لگا دے گا جو احتیاط کے باوجود غلط راستہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے محفوظ رکھے۔

رُوح کی سائنسی تحقیقات اور اسلام

ایک روسی خلاباز نے خلائی پرواز سے واپس آنے پر یہ بیان دیا تھا کہ اُس نے خلا میں بھی اس ہستی کی تلاش کی ہے جسے خدا کہا جاتا ہے لیکن وہ ہستی اسے کہیں نظر نہیں آئی جس سے اس کا مطلب یہ تھا کہ خدا کے وجود پر ایمان رکھنے والے یونہی ایک وہم میں مبتلا ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس روسی خلاباز کے بیان سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ اسے صرف ایسے مذہبی حلقوں سے واسطہ پڑا ہے جو خدا کو کسی ایک جگہ پر متمکن مانتے ہیں اور جس کے دائیں ہاتھ اس کا بیٹا جلوہ افروز ہے۔ اگر اسے اسلام کی تعلیم سے واقفیت ہوتی تو وہ یہ جان لیتا کہ خدا تعالیٰ کو خلا میں تلاش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ وہ تو شاہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے اور وہ تو ہماری زندگیوں میں یوں بسا ہوا ہے جس طرح رگوں میں خون دوڑتا ہے۔

حال ہی میں امریکہ میں ایک صاحب جن کا نام جیمس کِڈ (JAMES KIDD) تھا اور جنہیں ہمیشہ اس بات کا تجسس رہتا تھا کہ غیر مرئی چیزوں کا ثبوت مہیا کیا جائے انہیں اپنی آخری عمر میں روح کے متعلق خاص دلچسپی پیدا ہوئی۔ کہتے ہیں کہ ۱۹۴۹ء میں وہ اچانک غائب ہو گئے اگرچہ ان کی بہت تلاش کی گئی لیکن وہ نہ ملنے تھے نہ ملے۔ چنانچہ ۱۹۶۵ء میں قانونی طور پر انہیں وفات یافتہ قرار دے دیا گیا۔ اس کے بعد جب ان کی وصیت کو پڑھا گیا تو اس میں لکھا تھا کہ اِن کی جائیداد میں سے دو لاکھ ڈالر کے قریب رقم اس سائنسی تحقیقات پر صرف کی جائے جس کے ذریعہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کی جائے کہ موت کے وقت جو روح انسانی جسم سے نکلتی ہے وہ کیا ہے اور اس کی ماہیت کیا ہے۔ جب یہ وصیت عدالت میں پہنچی تو جج نے فیصلہ کیا کہ اس وصیت کے مطابق عمل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے یہ فیصلہ کیا جائے کہ اس کام کا اہل کون ہے۔ کون ایسا شخص ہے جو روح کے متعلق سائنسی تحقیقات کا بیڑہ اٹھا سکے۔ عدالت نے مختلف ذرائع سے ایسے ماہروں کی تلاش [illegible] کوشش

صرف کی جو جیمس کڈ کے روپے کو احسن طریق پر استعمال کرتے ہوئے روح کی ماہیت معلوم کرنے کے سلسلہ میں متوفی کی خواہش کو پورا کر سکیں۔ چنانچہ سترہ انجمنوں نے اٹھتر مختلف افراد نے پندرہ پندرہ ڈالر فیس ادا کر کے اپنے نام عدالت میں رجسٹر کروائے ہیں۔ اور ان میں سے بعض کے متعلق امریکی پریس نے کچھ تفصیلات بھی شائع کی ہیں ان میں سے ایک نورا ہگنز (NORA HIGGINS) ہے جن کا خیال ہے کہ روح کوئی مادی حیثیت نہیں رکھتی لیکن جسم ہی کی شکل کی کوئی ایسی چیز ہے جسے دھندلا سا ہیولیٰ کہا جا سکتا ہے۔ عدالت کے کمرہ میں انہوں نے زوردار الفاظ میں اس بات پر اصرار کیا کہ انہوں نے عدالت کے کمرہ میں جیمس کڈ کی روح کو چلتے پھرتے دیکھا ہے۔ انہوں (KIDD) نے اپنے ہاتھ کمر کے پیچھے کئے ہوئے تھے اور عدالت کی کارروائی پر اپنا سر ہلا رہے تھے۔

ایک اور عورت جو روح کی ماہیت کو بتا سکنے کی دعوے دار ہیں ان کا نام جین برائٹ (JEAN BRIGHT) ہے ان کا کہنا ہے کہ وہ اپنے جسم کے اعصابی نظام کے ذریعہ روحوں سے تعلق پیدا کرتی ہیں اور خاص طور پر ایک دندان ساز جو آج سے دو سال قبل وفات پا گئے تھے ان کی روح سے ان کا تعلق قائم ہے۔ وہ اپنے دندان ساز دوست کی روح سے سوال کرتی ہیں جن کے جوابات نفی یا اثبات میں ملتے ہیں۔

ایک اور صاحب ولیم۔ اے۔ ڈینس (WILLIAM A. DENNIS) ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ روح آفاقی لہروں کا مرکز ہے۔ جب انسانی جسم میں زندگی کے آثار موجود ہوتے ہیں تو روح کی لہریں انسان کو سوچنے اور عمل کرنے کی قوت عطا کرتی ہیں۔ اور جب انسانی جسم مر جاتا ہے تو ان لہروں کی حرکات سے متاثر ہونے کے قابل نہیں رہتا جن کے نتیجہ میں نہ وہ سوچ سکتا ہے اور نہ عمل کر سکتا ہے۔

ایک اور صاحب ورات۔ ڈبلیو امبدھا (VIRAT W. AMBUDHA) ہیں۔ یہ تھائی لینڈ کی فوج میں لیفٹیننٹ کرنل ہیں اور ذہنی طاقتوں کو تیز کرنے کے متعلق ایک کتاب کے مصنف ہیں۔ بنکاک سے امریکہ اس غرض کے لئے پہنچے ہیں کہ عدالت ان کا انتخاب کرے اور انہیں تحقیقات کا

کام تفویض کرے۔ ان کا کہنا ہے کہ روح ایک عجیب و غریب نازک اور چھوٹی سی چیز ہے۔

عیسائیوں کے مذہبی حلقوں میں سے ایک رومن کیتھولک جو ایک جونیئر کالج میں فلاسفی کے پروفیسر ہیں مختلف بڑے بڑے عیسائیوں کے حوالوں سے ترتیب دی ہوئی ایک کتاب (جس کی چھ جلدیں ہوں گی) پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ یہ ثابت کر سکیں کہ عیسائی علماء روح کے وجود کو مانتے ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے پچاس ایسے ثبوت مہیا کرنے کا دعویٰ کیا ہے جو عیسائی اعتقادات کے مطابق ہیں اور ان کے خیال میں روح کے متعلق واقفیت بہم پہنچاتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ جب سے عدالت میں یہ وصیت پیش ہوئی ہے اور اس کے مختلف دعویٰ کرنے والوں کی چھان بین کا سلسلہ شروع ہوا ہے جج مائرز کو ساڑھے چار ہزار ایسے خطوط ملے ہیں جن میں روح کے متعلق مزید واقفیت حاصل کرنے کے مشورے پیش کئے گئے ہیں۔ بھارت سے ایک شخص نے لکھا ہے کہ "آپ ایک ایسے شخص کو جو قریب المرگ ہو ایک چھوٹے سے کمرے میں بند کر دیں تمام دروازے اور کھڑکیاں اچھی طرح بند کر دی جائیں تاکہ روح کسی چھوٹے سے سوراخ سے بھی باہر نہ نکل سکے۔ جونہی وہ شخص وفات پائے گا آپ دیکھیں گے کہ کھڑکی کے شیشہ میں شگاف پڑ جائیگا۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ روح اس جسم میں سے نکل کر کمرے میں سے ہوتی ہوئی باہر چلی گئی ہے"

غالباً موسم گرما کے اکثر حصہ میں جج مائرز یہی کیس سنتے رہیں گے لیکن وہ اس بات سے خوش ہیں کہ آخرکار انہیں یہ فیصلہ نہیں کرنا کہ روح کا کوئی وجود ہے یا نہیں۔

اسلامی تعلیم روح کے متعلق کیا ہے! اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ لوگ روح کے متعلق پوچھتے ہیں تو ان سے کہہ دے کہ روح اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہے اور اس کا بہت کم علم انسانوں کو دیا گیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

"انسانی روح کے پیدا ہونے کے لئے خدا تعالیٰ کا قانونِ قدرت یہ ہے کہ دو نطفوں کے ملنے کے بعد جب آہستہ آہستہ قالب تیار ہو جاتا ہے تو جیسے چند دوائیں کے ملنے سے اس مجموعہ میں ایک خاص مزاج پیدا ہو جاتی ہے کہ جو ان دونوں میں فرداً فرداً طور پر پیدا

نہیں ہوتی۔ اسی طرح اس قالب میں جو خون اور دو نطفوں کا مجموعہ ہے ایک خاص جوہر پیدا ہو جاتا ہے اور وہ ایک فاسفرس کے رنگ میں ہوتا ہے اور جب تجلی الٰہی کی ہوا کُن کے امر کے ساتھ اس پر چلتی ہے تو یک دفعہ وہ افروختہ ہو کر اپنی تاثیر اس قالب کے تمام حصوں میں پھیلا دیتا ہے تب وہ جنین زندہ ہو جاتا ہے۔ پس یہی افروختہ چیز جو جنین کے اندر تجلی ربّی سے پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی کا نام روح ہے اور وہی کلمۃ اللہ ہے۔ اور اس کو امر ربّی سے اس لئے کہا جاتا ہے کہ جیسے ایک حاملہ عورت کی طبیعت مدبرہ بحکم قادرِ مطلق تمام اعضاء کو پیدا کرتی ہے اور عنکبوت کے جالے کی طرح قالب کو بناتی ہے اس روح میں اس طبیعتِ مدبرہ کو کچھ دخل نہیں بلکہ روح محض خاص تجلی الٰہی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور گو روح کا فاسفرس اس مادہ سے ہی پیدا ہوتا ہے مگر وہ روحانی آگ جس کا نام روح ہے وہ بجز مسِّ نسیمِ آسمانی کے پیدا نہیں ہو سکتی۔ یہ سچا علم ہے جو قرآن شریف نے ہمیں بتلایا ہے۔ تمام فلاسفروں کی عقلیں اس علم تک پہنچنے سے بیکار ہیں۔“

(چشمۂ معرفت صفحہ ۱۵۱-۱۵۲)

(الفضل)